کتابِ لاجواب

اِصلاحُ الرُّسوم

آج کل دین کے نام پر جو بے اصل اور من گھڑت
رسومات چل پڑی ہیں، اُن سے نہ دین کا فائدہ ہے
نہ دُنیا کا۔ ان کی اصلاح میں بینظیر کتاب

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

دارالاشاعت
اُردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 2631861

۱۶۔	چھٹی فصل۔ رسوم نکاح	۵۴
۱۷۔	چھٹی فصل۔ نکاح حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا	۹۰
۱۸۔	چھٹی فصل۔ نکاح ازواج مطہرات	۹۴
۱۹۔	چھٹی فصل۔ نکاح کے مسائل	۹۵
۲۰۔	چھٹی فصل۔ حجاب کے مسائل	۹۷
۲۱۔	ساتویں فصل۔ دوسرے نکاح کو عیب جاننا	۱۰۳
۲۲	آٹھویں فصل۔ انگریزی تعلیم	۱۰۴
۲۳۔	نویں فصل۔ حق تصنیف بیچنا	۱۰۵
۲۴۔	دسویں فصل۔ کھیل تماشہ بیچنا	۱۰۶

تیسرا باب

۲۵۔	پہلی فصل۔ جن رسوم کو عبادت جان کر کیا جائے	۱۰۷
۲۶۔	دوسری فصل۔ اولیاء اللہ کا عرس و فاتحہ	۱۲۰
۲۷۔	تیسری فصل۔ شب برأت کا حلوہ	۱۳۰
۲۸۔	چوتھی فصل۔ مرنے کے بعد کی رسمیں	۱۳۸
۲۹۔	پانچویں فصل۔ رمضان المبارک کی رسمیں	۱۴۵
۳۰۔	چھٹی فصل۔ عورتوں کا غیر محرم سے قرآن سننا	۱۵۰
۳۱۔	ساتویں فصل۔ مساجد کے لئے چندہ جمع کرنا	۱۵۱
۳۲۔	آٹھویں فصل۔ طالب علم کی دستار بندی	۱۵۳
۳۳۔	نویں فصل۔ تبرکات کی زیارت	۱۵۴
۳۴۔	دسویں فصل۔ مسجد کی زینت	۱۵۵

پہلا باب

پہلی فصل

۱۔ ان رسوم میں جن کو اکثر کرنے والے بھی گناہ سمجھتے اور کرتے ہیں ان میں ایک رسم شادی میں ناچ کرانے کی ہے۔ جس میں یہ قبائح (۱) ہیں۔ نامحرم (۲) عورتوں کو اہل مجلس دیکھتے ہیں جو آنکھ کا زنا ہے۔ اس کے بولنے اور گانے کی آواز سنتے ہیں جو کان کا زنا ہے۔ اس سے باتیں کرتے ہیں جو زبان کا زنا ہے۔ اس کی طرف قلب کا میلان (۳) ہوتا ہے جو دل کا زنا ہے۔ جو زیادہ بے حیا ہیں اس کو ہاتھ بھی لگاتے ہیں جو ہاتھ کا زنا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں یہ مضمون صراحتاً موجود ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول مقبول ﷺ نے بہت سے لوگوں کو مبتلائے عذاب دیکھا منجملہ ان کے ایک مقام پر دیکھا کہ ایک غار بشکل تنور کے ہے جو اوپر سے تنگ ہے اور نیچے سے فراخ ہے، اس میں آگ بھری ہے اور اس میں بہت مرد اور عورتیں ننگی ہیں جس وقت آگ کا شعلہ بلند ہوتا ہے اس کے ساتھ وہ سب اوپر آجاتے ہیں اور جب وہ شعلہ نیچے جاتا ہے تو اس کے ساتھ وہ سب بھی نیچے چلے جاتے ہیں۔ آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ زناکار لوگ ہیں۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ فرمایا

(۱) برائیاں ۱۲۔ (۲) غیر ۱۲۔ (۳) رجحان ۱۲

رسول مقبول ﷺ نے لعنت کرے اللہ تعالیٰ بدنگاہ کرنے والے کو اور جس کی طرف بدنگاہ کی جائے۔ یعنی جب بھی وہ اس کا قصد کرے۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص بدنگاہ سے دیکھے قیامت کے دن اس کی آنکھوں میں پگھلا ہو سیسہ ڈالا جائے گا۔

۲۔ اتنے گناہوں کا علی الاعلان ہونا کیونکہ یہ بات مقرر ہے کہ پوشیدہ گناہ کرنے سے اعلانیہ زیادہ برا ہے۔ حدیث میں ہے۔ رسول مقبول ﷺ نے علامات قرب قیامت میں فرمایا کہ جب فلاں فلاں امر واقع ہوں اور گانے والیاں اور باجے والے علی الاعلان ظاہر ہونے لگیں اس وقت لوگوں کو اندیشہ کرنا چاہیے سرخ ہوا کا اور زلزلہ کا اور زمین میں دھنس جانے کا اور صورت مسخ (۱) ہو جانے کا اور پتھر برسنے کا اور بڑی بڑی سخت نشانیوں کا کہ اس طرح لگاتار آئیں گی جیسے کسی لڑی کا تاگا ٹوٹ جائے اور اس کے دانے لگاتار گرنے لگتے ہیں۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔ واقعی یہ حدیث گویا ناچ ہی کی پیشین گوئی ہے کہ کسی وقت ایسا بھی ہوگا کہ جو لوگ بے باکی سے اس میں شریک ہوتے ہیں وہ سن لیں کہ اس میں کیسی وعیدیں ہیں اور حدیث میں ہے کہ ارشاد فرمایا رسول مقبول ﷺ نے کہ نہیں ظاہر ہوئی بے حیائی اور فحش کسی قوم میں یہاں تک کہ اس کو کھلم کھلا کرنے لگیں، مگر پھیل پڑتا ہے طاعون ان میں اور ایسی بیماریاں کہ ان کے گزشتہ بزرگوں میں کبھی نہیں ہوئی۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے اور کوئی شک نہیں کہ ناچ میں شریک ہونے سے زیادہ اور کیا بے حیائی ہوگی۔ طاعون اور نئی نئی بیماریوں کا پھیلنا ہمارے ملک میں ظاہر ہے، یہ نتیجہ ان ہی فحش افعال کا ہے۔

۳۔ بانی (۲) اور مہتمم مجلس کے لئے خصوصاً یہ کہ وہ اتنے آدمیوں کو گناہ کی طرف بلاتا اور جمع کرتا ہے، پس جس قدر جدا جدا سب کو گناہ ہوتا ہے اسی قدر سب کو ملا کر اکیلے اس بانی و مہتمم کو ہوتا ہے۔ بلکہ اس کی دیکھا دیکھی جو بھی اس قسم کا جلسہ کرے گا

(۱) اصلی صورت کے بگڑنے کا۔ (۲) ابتداء کرنے والا۔

اس میں بھی یہ شخص شریک گناہ (۱) ہوگا۔ بلکہ اس کے مرنے کے بعد بھی جب تک اس کا بنیاد ڈالا ہوا سلسلہ چلے گا اس وقت تک برابر اس کے نامہ اعمال میں گناہ لکھے جائیں گے۔ حدیث میں ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص راہ ہدایت کی طرف بلائے، جتنے آدمی اس کی پیروی کریں گے جس قدر ان سب کو ثواب ملے گا اسی قدر اس کو بھی ثواب ہوگا اور ان کے ثواب میں سے کچھ کم نہ ہوگا اور جو شخص کسی گمراہی کے طریقے کی طرف بلائے جتنے اس کی پیروی کریں گے جس قدر ان سب کو گناہ ہوگا اتنا اس اکیلے کو ہوگا اور اس کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

۴۔ وہ لوگ مجلس میں موجود نہیں دور دراز رہتے ہیں۔ ان کو بذریعہ خطوط کے اور رنگین رقعوں کے اطلاع دیتا ہے کہ اس طرح فسق و فجور کروں گا۔ یہ کیا ہے۔ یہ بھی خود ایک سخت گناہ ہے۔ حضور پرنور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب کے لئے معافی ہے مگر جو کھلم کھلا گناہ کرتے ہیں اور یہ بھی کھلم کھلا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستاری فرمائی تھی، مگر صبح کو اس نے خود اپنے کو فضیحت کرنا شروع کیا کہ میاں فلانے ہم نے فلانے دن کام کیا تھا، خود اپنی پردہ دری کی، حالانکہ خدائے تعالیٰ نے چھپالیا تھا، ظاہر ہے کہ شادی کے رقعوں میں شادی کی اطلاع دور دور کی جاتی ہے اور اس مضمون میں اس فعل کا استحسان اور دوسروں کو ترغیب شرکت اور اپنی منت کشی ہوتی ہے۔

۵۔ اس مجلس میں معازف (۲)، مزامیر (۳) بے دھڑک بجائے جاتے ہیں، جو خود سامان معصیت (۴) ہیں۔

ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ حکم فرمایا ہے مجھ کو میرے پروردگار نے معازف اور مزامیر کے مٹانے کا۔ روایت کیا اس کو احمدؒ نے۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ جس چیز کے مٹانے کے لئے تشریف لائیں اس کے رونق دیتے

---

(۱) یعنی حصہ دار ہوگا۔ (۲) ہاتھ سے بجانے کے باجے۔ (۳) منہ سے بجانے کے باجے۔
(۴) یعنی گناہ ہیں۔

والے کے گناہ کا کیا ٹھکانہ ہے۔

۶۔ شرکاءِ مجلس کو تو نماز کیا خاک نصیب ہوتی اور پاس پڑوس والوں کی نماز میں گانے بجانے کی آواز سے خلل و نقصان واقع ہوتا ہے بعض لوگوں کو اس پریشانی میں نیند بے وقت آتی ہے اور نماز قضا ہو جاتی ہے۔ سو ان نمازوں کے برباد ہونے کا وبال اس شخص پر پڑتا ہے، ایک ایک نماز کے ترک پر حدیث میں جہنم کی وعید آئی ہے۔ جس شخص نے اتنے آدمیوں کی نماز خراب کی اس کے عذاب کا کیا ٹھکانہ ہے۔

۷۔ اکثر ناچ دیکھنے کی جب عادت ہو جاتی ہے اس کی برائی دل سے نکل جاتی ہے۔ بجائے اس کے کہ گناہ کر کے غم ہوتا اور الٹی فرحت (۱) ہوتی ہے۔ یہ مقام بڑے اندیشہ کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمان ہونے کی یہ علامت فرمائی ہے کہ اگر نیکی کر کے دل خوش ہو اور گناہ کر کے دل برا ہو تو بھی تم مومن ہو، جب گناہ کر کے دل خوش ہونے لگا، پھر فرمایئے ایمان کہاں رہا۔ یہ تو ہر دیکھنے والے کا حال ہوا، اور جس نے سب کو دکھلایا ہے وہ اکیلا ان سب کی برابر عقوبت (۲) کا مستحق ہوتا ہے۔

۸۔ بعض لوگ ناچ والی کے عشق میں مبتلا ہو کر اپنا سب مال اور آبرو اور دین برباد کرتے ہیں۔ اس کا سبب بھی بانی مجلس ہوا تو اس تمام تر وبال میں یہ بھی شریک ہوگا اور عشق مجازی (۳) ایسی بری بلا کی چیز ہے کہ آدمی کو بعض اوقات کافر بنا کر رہتی ہے۔ کیونکہ انسان کا قلب تو ایک ہی ہے، اس میں ایک ہی محبت سما سکتی ہے، جب کسی مردار کی محبت اس میں آئے گی خالق کی محبت گھٹتی جائے گی یہاں تک کہ جب قلب کو بالکل محیط (۴) ہو جائے گی تو وہ بالکل دل سے نکل جائے گی اور یہی مقام کفر ہے۔ ایک شخص کی حکایت ہے کہ وہ اپنے گھر کی ڈیوڑھی پر کھڑا تھا اور دروازہ اس کے گھر کا حمام کا سا دروازہ تھا۔ ایک خوبصورت لڑکی وہاں سے گذری اور پوچھا کہ حمام منجاب کا راستہ کدھر ہے۔ اس شخص نے کہا حمام منجاب یہی ہے۔ وہ اندر چلی گئی اور یہ اس کے

(۱) یعنی خوشی۔ (۲) یعنی عذاب۔ (۳) غیر حقیقی۔ (۴) گھیرنے والا، احاطہ کرنے والا۔

پیچھے پیچھے چلا۔ جب لڑکی نے یہ حالت دیکھی تو سمجھ گئی کہ اس نے دھوکا دیا۔ اس نے براہ چالا کی بشاشت ظاہر کی اور کہا کہ کچھ سامان عیش ونشاط مہیا کر لینا چاہیئے۔ کہنے لگا جو کہو ابھی تیار ہو جاتا ہے۔ اس نے کچھ فرمائش کی۔ یہ گھر سے اس کا سامان کرنے کے لئے باہر نکلا اور اس کو گھر میں چھوڑ گیا۔ یہ لڑکی نکل کر چل دی۔ وہ شخص لوٹ کر جو آیا اور اس کو نہ پایا تو بہت پریشان ہوا اور اکثر اس کو یاد کرتا اور گلی کوچوں میں کہتا پھرتا:

یارب قائلة یوماً وقد تعبت
این الطریق الیٰ حمام منجاب

خلاصہ شعر کا یہ ہے کہ وہ جو حمام منجاب کا راستہ پوچھتی تھی وہ کہاں گئی، اسی طرح تمام عمر مصیبت میں گذری، جب مرنے کا وقت آ پہنچا اور لوگ کلمہ پڑھنے کو کہتے تھے اور وہ بجائے کلمہ کے یوں کہتا تھا:

یارب قائلة یوماً وقد تعبت
این الطریق الیٰ حمام منجاب

آخر اسی میں ختم ہو گیا۔ نعوذ باللہ من سوء الخاتمہ۔

ایک اور شخص کی حکایت ہے کہ کسی پر عاشق ہو گیا اور اس غم میں صاحب فراش ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے درمیان میں پڑ کر معشوق کو لانے پر آمادہ کیا۔ یہ سن کر عاشق تازہ ہو گیا اور منتظر وعدہ ہو کر بیٹھا۔ دفعتاً ایک شخص نے آ کر بیان کیا کہ وہ میرے ساتھ آنے کو چلا تھا، راستہ میں کہنے لگا کہ میں موضع تہمت (۱) میں نہیں جاتا۔ میں نے ہر چند سمجھایا مگر اس نے نہ مانا اور واپس ہو گیا۔ اس کو سنتے ہی اس کی پہلے سے بدتر حالت ہو گئی اور علامات مرگ ظاہر ہونے لگے اور اس حالت میں یہ کہنا شروع کیا:

اعلم یاراحت العلیل
ویاشفاء المدنف الخلیل

(۱) الزام کی جگہ

رضاک اشھی الیٰ فؤادی
من رحمۃ الخالق الجلیل

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے معشوق کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ تیری رضامندی نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے زیادہ مرغوب ہے۔

ایک شخص کہنے لگا کہ کمبخت خدا سے ڈر، کیا کہتا ہے۔ کہنے لگا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ ناصح اٹھ کر دروازہ تک پہنچا تھا کہ اس کی روح قبض ہوگئی۔

ایک اور حکایت ہے کہ مصر میں ایک شخص مسجد میں رہتا تھا اور اس کے چہرے پر نور عبادت کا چمکتا تھا۔ ایک روز اذان کہنے کے لئے مینار پر چڑھا، اس مینار کے نیچے ایک نصرانی کا گھر تھا۔ اس کی دختر پر نظر پڑ گئی اور عاشق ہوگیا اور اذان چھوڑ چھاڑ نیچے اترا اور اس کے گھر پہنچا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے اور کیا چاہتا ہے۔ اس شخص نے اپنا حال بیان کیا اور کہا کہ میں اس لڑکی کو چاہتا ہوں۔ لڑکی نے جواب دیا کہ تو مسلمان میں نصرانی، میرا باپ تجھ سے ہرگز نکاح نہیں کرسکتا۔ کہنے لگا کہ اگر نصرانی ہوجاؤں تو، اس نے کہا اس وقت ممکن ہے۔ یہ شخص نکاح کی امید میں نصرانی ہوگیا۔ ابھی نکاح نہیں ہوا تھا کہ کسی کام کے لئے کوٹھے پر چڑھا۔ وہاں سے اتفاقاً گرا اور مرگیا۔ خَسِرَ الدُّنیَا وَالْاٰخِرَۃَ

یہ فتنیں عشق (۱) صورت کی ہیں۔ اکثر لوگ اس بلا کو خفیف سمجھتے ہیں اور بعض اس کو نعوذ باللہ موجب قرب الٰہی و آئینہ مشاہدۂ جمال حقیقی جانتے ہیں۔ جو سراسر الحاد (۲) و زندیقی کا اعتقاد ہے اور بزرگوں کے بعض کلام سے جو سند پکڑتے ہیں اس کے کچھ معنی نہیں سمجھتے۔

۹۔ بعضے بدکردار اکثر ناچ کرانے والے اس کو سبب ناموری اور آبرو کا جانتے ہیں اور اس کے نہ ہونے کو موجب اہانت و بے رونقی شادی کا سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ

(۱) صورت عشق ظاہری۔ (۲) بددینی۔

جب گناہ پر آدمی فخر کرنے لگے اور اس کے نہ ہونے کو بے عزتی سمجھے تو اس میں گناہ کا استخفاف (۱) بلکہ استحسان (۲) لازم آتا ہے۔ جس کو علماء نے موجب زوال ایمان فرمایا ہے۔

۱۰۔ اس میں مال خوب دل کھول کر برباد کرتے ہیں اور قرآن وحدیث میں اسراف کرنے کی حرمت اور وعید موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بے ہودہ اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ اس شخص نے بڑی ناشکری اور بے قدری نعمت کی کی کہ اس کو اس طرح برباد و تلف کیا۔

۱۱۔ جن جن لوگوں کو دور دور اطلاع ہوتی ہے اور مبارک باد کے خطوط بھیجتے ہیں ان کو بھی ایسا ہی گناہ ہوتا ہے جیسا کہ شرکاء مجلس کو۔ ابوداؤد میں ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص گناہ میں شریک نہ ہو، مگر اس سے راضی ہو وہ مثل اسی شخص کے ہے جو اس میں شریک و حاضر ہو اور اسی طرح اس کی بہت سی خرابیاں اس میں جمع ہیں جن کے بیان کی حاجت نہیں، صاف ظاہر ہیں۔

بعضے لوگ کہتے ہیں کہ صاحب کیا کریں، لڑکی والا نہیں مانتا۔ باصرار فرمائش کرتا ہے۔ ان سے پوچھنا چاہئے کہ اگر لڑکی والا کوئی ایسی بات کے لئے زور ڈالے جو تم کو ناگوار ہو۔ مثلاً فرض کرو یونہی کہے کہ تم اپنی ماں بہن کو لاکر نچاؤ گے تو ہم لڑکی دیں گے ورنہ نہ دیں گے۔ اس وقت یہ لوگ کیا کریں گے۔ اس بے عزتی کو محض لڑکی لینے کی ضرورت سے گوارا کریں گے یا نہایت برہم ہو کر غیظ و غضب میں آکر مرنے مارنے کو تیار ہو جائیں گے اور لڑکی نہ ملنے کی ذرا بھی پرواہ نہ کریں گے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ شریعت نے جس چیز کو حرام ٹھہرایا ہے اس سے ایسی نفرت ہونی چاہئے جیسا اپنی طبیعت کے خلاف امور سے ہوتی ہے، اور جیسے اس میں شادی ہونے نہ ہونے کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی، اسی طرح خلاف شرع امور میں صاف جواب دے دینا

(۱) ہلکا سمجھنا ۱۲۔ (۲) اچھا جاننا ۱۲

چاہئے کہ خواہ شادی کرو یا نہ کرو، ہم ہرگز ناخوش نہ ہونے دیں گے۔ غرض یہ کوئی عذر اور وجہ مجبوری کی نہیں۔

اسی طرح برادری اور احباب کو چاہئے کہ اگر کوئی شخص نہ مانے تو ہرگز اس کے ساتھ شرکت نہ کریں، صاف جواب دے دیں کہ جب تم کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی پرواہ نہیں تو ہم کو تمہاری ناراضگی کی پرواہ نہیں:

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد
فدائے یک تن بے گناہ کآشنا باشد

دوسری فصل

منجملہ ان رسوم کے اکثر نوجوانوں کو گنجفہ، شطرنج وغیرہ کھیلنے اور کبوتر بازی اور مرغ اور بٹیر لڑانے اور کنکوا وغیرہ اڑانے کی عادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں شراب و قمار کے حرام ہونے کو فرمایا ہے اور اس کی وجہ بیان فرمائی ہے کہ شیطان یوں چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان عداوت اور بغض پیدا کر دے اور تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز سے دور کرے، سو ظاہر ہے کہ جب حرام ہونے کی علت یہ ٹھہری تو جس چیز میں یہ علت پائی جائے گی اس کو حرام کہا جائے گا۔

ان سب کھیلوں میں جس قدر قلب کو مشغولی ہوتی ہے اس کو دیکھنے والے جانتے ہیں جو بشری طبعی حوائج ہیں۔ جیسا کہ کھانا پینا، پیشاب پاخانہ، اس کی خبر بھی نہیں رہتی۔ نماز کا تو ذکر کیا ہے اور ان کھیلوں کی بدولت اکثر آپس میں گالی گلوچ اور رنج و تکرار بلکہ کبھی کبھی ہاتھا پائی کی بھی نوبت آجاتی ہے۔ پھر اس کے حرام ہونے میں کیا شبہ ہے۔

شطرنج وغیرہ کا بیان

حدیث میں ہے جو شخص نرد (۱) سے کھیلا اس نے اللہ و رسول (ﷺ) کی نافرمانی کی۔ روایت کیا اس کو احمد اور ابن ماجہ اور مالک نے۔ اور حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص نرد سے کھیلے، پھر اٹھ کر نماز پڑھے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص پیپ اور خنزیر کے خون سے وضو کرے اور پھر اٹھ کر نماز پڑھ لے۔ روایت کیا احمد نے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ شطرنج اہل عجم کا قمار ہے اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا ارشاد ہے کہ شطرنج نہیں کھیلتا مگر گناہ گار۔ یعنی اس کے کھیلنے سے گناہ ہوتا ہے۔ اور ان ہی سے روایت ہے کہ کسی نے ان سے شطرنج کھیلنے کو پوچھا۔ فرمایا کہ یہ باطل ہے اور اللہ تعالیٰ باطل کو پسند نہیں کرتا۔ ان تینوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور ہدایہ، درمختار وغیرہ میں شطرنج کو صریحاً حرام لکھا ہے۔ خواہ اس میں بازی بدی جائے یا ویسے ہی کھیلیں۔

بعضے لوگ کہتے ہیں کہ ان سے ذکاوت بڑھتی ہے اور فنون حرب (۲) میں اس سے مدد ملتی ہے۔ سو اول تو یہ بات بالکل لغو ہے۔ اس کو ذکاوت سے کیا علاقہ۔ بلکہ اور عقل خبط ہو جاتی ہے۔ اس میں ایسا انہماک ہوتا ہے کہ اور کسی چیز کی خبر نہیں رہتی۔ البتہ عجب نہیں کہ کھیلتے کھیلتے خاص شطرنج بازی میں خوب چالیں یاد ہو جاتی ہوں اور اس میں ذہن دوڑنے لگتا ہو۔ سو اس سے کیا کام نکلا اور کون سا فائدہ ہوا۔ اسی طرح فنون حرب سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ اس میں تو اصطلاحی چالیں ہیں کہ اسپ (۳) اس طرح چلتا ہے اور فیل (۴) اس طرح وعلیٰ ہذا القیاس۔ واقعی لڑائی میں یہ چالیں تھوڑی ہیں۔ اس کے جداگانہ اصول و قواعد ہیں۔ غرض دونوں عذر واہیات ہیں اور علی سبیل التسلیم (۵) دلائل شرعی کے روبرو قیاسی گھوڑے دوڑانا سخت گناہ اور بے باکی کی

---

(۱) گوٹ چوسر (۲) جنگ کی چالیں۔ (۳) مہرہ شطرنج گھوڑا۔ (۴) ہاتھی۔ (۵) اگر مان لیا جاوے

بات ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے مذہب میں درست ہے۔ ہم ان کے مذہب پر عمل کرتے ہیں۔ سو اول تو اپنے امام کا مذہب جب کہ وہ قرآن وحدیث کے موافق ہو چھوڑ کر دوسرے مذہب پر عمل کرنا محض حظ نفس (۱) کے واسطے بلاضرورت شدید جائز نہیں۔ اگر ایسی گنجائش دی جائے تو دین کا ایک کھیل ہو جائے گا۔ ہر امر میں کسی نہ کسی کا مذہب تو موافق خواہش نفسانی ضرور نکل آئے گا۔ مثلاً وضو کر کے خون نکل آیا جو کسی نے کہا کہ وضو ٹوٹ گیا پھر کر۔ یوں کہنے لگے۔ ہم نے امام شافعیؒ کے مذہب پر عمل کرلیا۔ پھر اتفاق سے عورت کو بہ شہوت ہاتھ لگایا جو کسی نے کہا کہ اب تو شافعیؒ مذہب کے موافق بھی وضو ٹوٹ گیا۔ اب تو دوسرا وضو کرلو۔ کہنے لگا اس میں امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر عمل کرلیا۔ حالانکہ اس کا وضو بالاجماع (۲) باطل ہو گیا۔ مگر اس نے بے وضو نماز پڑھائی۔ اسی طرح ہزاروں خرابیاں دین کے اندر لازم آئیں گی۔ اسی وجہ سے علماء معبرین نے اجماع کیا ہے کہ ایک مذہب معین کی تقلید واجب ہے تاکہ دین میں خبط نہ کرے اور بندۂ نفس نہ بن جائے۔ پھر یہ کہ امام شافعیؒ کا یہ قدیم قول ہے اور اس میں بھی انہوں نے یہ شرط ٹھہرائی ہے کہ کثرت سے نہ ہو اور اس میں ایسا انہماک نہ ہو کہ نماز اپنے وقت سے ٹل جائے۔ سو ظاہر ہے کہ یہ شرطیں کہیں بھی نہیں پائی جاتیں۔ پھر یہ کہ اس سے بھی امام شافعیؒ نے رجوع (۳) فرمایا ہے۔ چنانچہ نصاب الاحتساب میں خلاصہ سے نقل کیا ہے، اب کسی حال میں امام شافعیؒ کے مذہب کو آڑ بنا کر شطرنج کھیلنے کی گنجائش نہیں رہی اور اس میں انہماک ایسا وبال ہے کہ خدا کی پناہ! جواب کافی میں ایک شاطر کی حکایت لکھی ہے کہ سکرات موت میں اس سے کلمہ پڑھنے کو کہا گیا، بجائے کلمہ پڑھنے کے کہتا ہے کہ شہ رخ تجھ پر غالب ہوا اور وہ فوراً مر گیا۔ بات یہ ہے کہ جب کوئی چیز دل میں رچ جاتی ہے اور رگ وپے میں سما جاتی ہے تو مرتے وقت اس کا غلبہ ہوتا ہے اور اسی دھندے میں آدمی مر جاتا ہے۔ مصرعہ

(۱) مزہ ہی کا۔ (۲) سب کے نزدیک۔ (۳) لوٹا لیا

''چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد۔''

کبوتر بازی

اب کبوتر بازی کی نسبت سنئے: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ ایک کبوتر کے پیچھے دوڑا جا رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شیطان دوسرے شیطان کے پیچھے پیچھے جا رہا ہے۔ روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد اور ابن ماجہ اور بیہقی نے۔ پھر کبوتر بازوں کی عادت دوسروں کے کبوتر پکڑنے کی بھی ہے۔ یہ سراسر ظلم وغصب ہے۔ جس کی نسبت حدیثوں میں آیا ہے کہ اگر کسی کا حق کسی کے ذمہ رہ گیا ہوگا تو قیامت کے روز ظالم کی نیکیاں مظلوم کو اور مظلوم کے گناہ ظالم کو دیئے جائیں گے۔ پھر ظالم دوزخ میں ڈالا جائے گا اور اگر کوئی کبوتر باز یوں کہے کہ دوسرے بھی ہمارا کبوتر پکڑ لیتے ہیں، ہم نے ان کا پکڑ لیا تو کیا مضائقہ ہے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ مبادلہ شرعاً اس وقت صحیح ومعتبر ہے جب باہمی رضامندی کے ساتھ ہو اور تمام شرائط انعقاد و بیع کی موجود ہوں۔ جس طرح تمام دنیا میں خرید و فروخت ہوتی ہے، اور چھینا جھپٹی کا مبادلہ سراسر ظلم ہے۔ کبھی ایک شخص ظلم میں بڑھ گیا، کبھی دوسرا، جس پر ظلم کیا ہے اس کی بھی نیت تو آخر خراب ہی رہتی ہے کہ جس قدر زیادتی ہو سکے دریغ نہ کروں گا۔ قابو نہ پڑنے کی وجہ سے مجبور ہے۔ سو جب ظلم زائد کی نیت کر لی اس کا گناہ لکھا گیا۔ خواہ اس فعل پر قادر ہوا یا نہ ہوا۔ حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب دو مسلمان ناحق آپس میں لڑیں اور ایک دوسرے کو قتل کر دے تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قاتل کا دوزخ میں جانا تو سمجھ میں آ گیا مگر مقتول کے جانے کی کیا وجہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا

کہ جی اس کا بھی یہی چاہتا تھا کہ اپنے مقابل کو قتل کرے۔ اور اگر کوئی کہے کہ کبوتر بازوں کا گروہ اس مبادلہ پر رضامند ہے کہ جس کے ہاتھ آئے لے جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ رضامندی تسلیم بھی کر لی جائے تو جوئے میں داخل ہے، جوا رضامندی سے حلال نہیں ہوتا۔ اس کا حرام ہونا قرآن مجید میں منصوص (۱) ہے۔ غرض کسی طرح اس میں جواز کی صورت نہیں ہے۔ پھر اس میں جو مشغولی ہوتی ہے جس میں نہ نماز کی خبر رہتی ہے نہ اہل حقوق کے حقوق ادا کرنے کی نہ اہل وعیال کی خدمت گذاری کی وہ خود ایک مستقل وجہ اس شغل کے حرام ہونے کی ہے۔ کیونکہ عبادات وحقوق مذکورہ واجب ہیں، اور ترک واجب حرام ہے۔ اور یہ شغل اور حرام کا سبب ہو جاتا ہے۔ اور حرام کا سبب حرام ہے۔ چنانچہ سب مقدمات ظاہر ہیں اور ان لوگوں کا بے دھڑک کوٹھوں پر چڑھ جانا اور پردہ داروں کی بے پردگی کی کچھ پرواہ نہ کرنا اور کبوتروں کو ڈھیلے مارنا، اسے پڑوسیوں کا پریشان ہونا یہ ایک معمولی بات ہے، جس کا قبیح اور موجب بے غیرتی ہونا محتاج بیان نہیں۔ درمختار میں ایسی صورت کی نسبت لکھا ہے کہ اگر منع کرنے سے باز نہ آئے تو محتسب (۲) کو کرنا چاہئے کہ ان کبوتروں کو ذبح کر ڈالے۔ الغرض جس چیز میں اس قدر مفاسد ہیں وہ کسی طرح جائز نہیں ہو سکتی۔

کنکوا اڑانا

اب کنکوے بازی کی نسبت بھی سن لیجئے۔ جس قدر خرابیاں کبوتر بازی میں ہیں قریب قریب اس میں بھی موجود ہے۔

ا۔ کنکوے کے پیچھے دوڑنا، جس میں پیغمبر ﷺ نے دوڑنے والے کو شیطان فرمایا ہے۔

(۱) قرآن کی نص یعنی صریح آیت سے ثابت ہے۔ (۲) منہیات سے روکنے والا

۲۔ دوسرے کے کنکوے کو لوٹ لینا، جس کی ممانعت حدیث شریف میں صراحتاً وارد ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہیں لوٹتا کوئی شخص ایسا لوٹنا جس کی طرف لوگ نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہوں، اور پھر بھی وہ مومن رہے۔ روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے۔ یعنی یہ خصلت ایمان کے خلاف ہے۔ اس حدیث کے خواہ کچھ ہی معنی ہوں مگر ظاہراً تو پیغمبر صاحب ﷺ نے ایسے شخص کو خارج از ایمان فرمادیا۔ اگر کوئی شخص کہے کہ اس لوٹنے میں تو مالک کی اجازت ہوتی ہے تو اس کے ساتھ یہ وعید متعلق نہیں ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ بالکل غلط ہے، مالک کی ہرگز اجازت نہیں ہوتی۔ چونکہ عام رواج اس کا ہو رہا ہے۔ اس لئے خاموش ہو جاتا ہے۔ دل سے ہرگز رضامند اور خوش نہیں۔ اگر اس کا بس چلے تو خود دوڑے اور کنکوا ہرگز بھی دوسرے کو نہ لینے دے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کنکوا کٹ جاتا ہے تو وہ بڑی کوشش سے جلدی جلدی ڈور کھینچتا ہے کہ جو ہاتھ لگ جائے غنیمت ہے۔

۳۔ ڈور کو لوٹ لینا، بلکہ اس میں ایک اعتبار سے کنکوے کے لوٹنے سے بھی زیادہ قباحت ہے۔ کیونکہ کنکوا تو ایک ہی کے ہاتھ آتا ہے۔ ایک ہی آدمی گناہ گار ہوتا ہے اور ڈور تو بیسیوں کے ہاتھ لگتی ہے۔ بہت سے آدمی گناہ میں شریک ہوتے ہیں اور باعث ان تمام آدمیوں کے گناہ گار ہونے کے وہی کنکوا اڑانے والے ہیں تو حسب وعدہ مذکورہ بالا ان سب کے برابر اس اکیلے اڑانے والے کو گناہ ہوتا ہے۔

۴۔ ہر شخص کی نیت کہ دوسرے کے کنکوے کو کاٹ دوں اور اس کا نقصان کردوں۔ سو کسی مسلمان کو ضرر پہنچانا حرام ہے۔ اس حرام فعل کی نیت سے دونوں گناہ گار ہوتے ہیں۔

۵۔ نماز سے غافل ہو جانا، جس کو اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کے حرام ہونے کی علت فرمائی ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے۔

۶۔ اکثر کوٹھوں پر کھڑے ہو کر کنکوا اڑانے سے آس پاس والوں کی بے پردگی

ہونا۔

۷۔ بعض اوقات کنکوا چڑھاتے چڑھاتے پیچھے ہٹتے جاتے ہیں اور کوٹھے سے نیچے آ گرتے ہیں۔ چنانچہ اخبارات میں اس قسم کے واقعات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس میں صریح اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا ہے جو کہ آیت قرآنی سے حرام ہے اور حدیث میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا ہے جس پر آڑ نہ ہو۔ اس کی وجہ بھی احتمال ہے کہ شاید گر پڑے۔ سبحان اللہ! ہمارے پیغمبر ﷺ ہم پر کس قدر شفیق ہیں کہ ایسے ایسے احتمالات مضرت سے ہمیں روکیں اور ہم ان احکام کی ایسی بے قدری کریں۔ افسوس صد افسوس!!

۸۔ ایک خرابی خاص اس میں یہ ہے کہ کاغذ جو کہ آلات علم سے ہے اس کی اہانت ہوتی ہے اور گڈی آ ٹے سے بنتی ہے۔ اس کی اہانت ہوتی ہے اور حدیث میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ روٹی کا اکرام کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہانت رزق کی ممنوع ہے اسی طرح علم کے ادب کو کون نہیں جانتا کہ ضروری ہے، اس میں دونوں کی اہانت ہے۔

۹۔ ان سب کھیلوں میں مفت مال ضائع ہوتا ہے اور فضول خرچی کا حرام ہونا اوپر قرآن مجید سے ثابت ہو چکا ہے۔

مرغ بازی وغیرہ

اب مرغ بازی و بٹیر بازی کی نسبت ملاحظہ فرمائیے۔ حدیث میں ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ ﷺ نے لڑائی کرانے سے درمیان بہائم کے۔ اس حکم میں مرغ و بٹیرو تیتر و مینڈھے وغیرہ سب آ گئے۔ اور واقعی عقل کے بھی خلاف ہے۔ خواہ مخواہ بے زبان جانوروں کو بلا کسی ضرورت و مصلحت کے تکلیف دینا ہے اور کبھی اس میں جوا

بھی ہوتا ہے۔ یہ دوسرا گناہ ہوا اور نماز اور ضروری امور سے غفلت ہونا اور تمام تماشائیوں کے گناہ کا باعث بننا یہ مزید برآں ہے۔ جن کی برائی جدا جدا کئی بار بیان ہو چکی ہے۔

تیسری فصل

منجملہ ان رسوم کے آتش بازی ہے، اس میں بھی متعدد خرابیاں جمع ہیں۔

۱۔ مال کا ضائع کرنا، جس کا حرام ہونا قرآن مجید میں منصوص ہے۔

۲۔ اپنی جانوں کو یا اپنے بچوں کو یا پاس پڑوس والوں کو خطرہ میں ڈالنا۔ صدہا واقعات ایسے ہو چکے ہیں جس میں آتش بازوں کا ہاتھ اڑ گیا۔ منہ جل گیا یا کسی کے چھپر میں آگ لگ گئی، جس کی حرمت قرآن مجید میں منصوص ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مت ڈالو اپنی جانوں کو ہلاکت میں۔ اسی واسطے حدیث شریف میں بلا ضرورت آگ کے تلبس (۱) و قرب سے ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ کھلی آگ اور جلتا چراغ چھوڑ کر سونے کو منع فرمایا ہے۔

۳۔ بعض آلات آتش بازی میں کاغذ بھی صرف ہوتا ہے جو آلات علم سے ہے اور آلات علم کی بے ادبی خود امر قبیح ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ پھر غضب یہ ہے کہ لکھے ہوئے کاغذ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ خواہ اس پر کچھ بھی لکھا ہو۔ قرآن یا حدیث۔ چنانچہ مجھ سے ایک معتبر شخص نے بیان کیا کہ میں نے کاغذ کے بنے ہوئے کھیل دیکھے، دیکھنے سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے ورق ہیں۔

۴۔ بچوں کو ابتدا سے تعلیم معصیت (۲) کی ہوتی ہے۔ جن کے واسطے شرعی حکم ہے کہ ان کو علم و عمل سکھاؤ۔ گویا نعوذ باللہ حکم شرعی کا پورا مقابلہ ہے۔ بالخصوص شب برأت

(۱) خلط ملط۔ (۲) گناہ، نافرمانی

میں یہ خرافات کرنا جو کہ نہایت متبرک شب ہے۔ یہ بات مقرر ہے کہ اوقات متبرکہ میں جس طرح طاعت کرنے سے اجر بڑھتا ہے اسی طرح معصیت کرنے سے گناہ بھی زائد ہوتا ہے۔

۵۔ بعض آلات آتش بازی اوپر کو چھوڑے جاتے ہیں۔ جیسے ہتل اور اڑن انار وختنگا وغیرہ اول تو بعضوں کے سر پر آ کر گرتے ہیں اور لوگوں کو چوٹ لگتی ہے۔ علاوہ اس کے اس میں یاجوج ماجوج کی مشابہت ہے۔ جس طرح وہ آسمان کی طرف تیر چلائیں گے اور کفار کی مشابہت حرام ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں ایام حج میں تو توپیں چلتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آتش بازی درست ورنہ وہاں ایسا کیوں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو عوام لشکریوں کا فعل شرع میں حجت نہیں۔ البتہ عالم محقق دیندار کا فتویٰ جو مطابق قواعد شرعیہ کے ہو حجت ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ توپیں وغیرہ چلانا لشکریوں کا فعل ہے نہ کسی عالم کا فتویٰ۔ دوسرے اس میں کچھ مصالح بھی نکل سکتے ہیں۔ اظہار شوکت اسلام و تعظیم شعائر حج و اعلان ارکان وغیرہا اور آتش بازی میں کون سی شوکت ہے۔ البتہ اگر کسی مقام پر ضروری امر کے اعلان کی اصطلاح ٹھہرالی جائے تو بقدر ضرورت جائز ہوگی۔ جیسے وقت افطار و سحر کے اعلان کے لئے ایک آدھ گولہ چھوڑ دینا۔ اس کا مضائقہ نہیں اور اگر اس کی حاجت سے زائد ہوگا تو وہ بھی ممنوع ہے۔

چوتھی فصل

منجملہ ان رسوم کے داڑھی منڈانا یا کٹانا اس طرح کہ ایک مشت سے کم رہ جائے یا مونچھیں بڑھانا جو اس زمانہ میں اکثر نوجوانوں کے خیال میں خوش وضعی سمجھی جاتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ بڑھاؤ داڑھی کو اور کترا ؤ مونچھوں کو۔ روایت کیا اس کو

بخاری و مسلم نے۔ حضور ﷺ نے صیغہ امر سے دونوں حکم فرمائے اور امر حقیقت وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ دونوں کام واجب ہیں اور ترک کرنا حرام ہے۔ پس داڑھی کٹانا اور مونچھیں بڑھانا دونوں حرام فعل ہیں۔ اس سے زیادہ دوسری حدیث میں مذکور ہے۔ ارشاد فرمایا رسول کریم ﷺ نے جو شخص اپنی لبیں نہ لے وہ ہمارے گروہ سے نہیں۔ روایت کیا اس کو احمد اور ترمذی اور نسائی نے۔ جب اس کا گناہ ثابت ہو گیا تو جو لوگ اس پر اصرار کرتے ہیں اور اس کو پسند کرتے ہیں اور داڑھی بڑھانے کو عیب جانتے ہیں، بلکہ داڑھی والوں پر ہنستے ہیں اور اس کی ہجو کرتے ہیں۔

ان سب مجموعہ امور سے ایمان کا سالم رہنا ازبس دشوار ہے۔ ان لوگوں کو واجب ہے کہ اپنی اس حرکت سے توبہ کریں اور ایمان و نکاح کی تجدید کریں اور اپنی صورت موافق حکم اللہ و رسول ﷺ کے بنائیں اور عقل بھی کہتی ہے کہ داڑھی مردوں کے لئے ایسی ہے جیسے عورتوں کے لئے سر کے بال کہ دونوں باعث زینت ہیں۔ جب عورت کا سر منڈانا بدصورتی میں داخل ہے تو مردوں کا داڑھی منڈانا خوبصورتی کیسے ہے؟ کچھ بھی نہیں، رواج نے بصیرت (۱) پر پردہ ڈال دیا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب ترک بھی منڈاتے ہیں۔ ہم ان کی تقلید کرتے ہیں۔ اس کا وہی جواب ہے کہ عام لشکریوں کا فعل جو خلاف شرع ہو حجت نہیں۔ جو منڈاتا ہے برا کرتا ہے۔ خواہ کسی ملک کا رہنے والا ہو۔ بعض لوگ اپنے کو کم عمر ظاہر کرنے کو منڈاتے ہیں کہ بڑی عمر میں تحصیل کمال کرنا موجب عار (۲) ہے۔ یہ بھی ایک لغو خیال ہے۔ عمر تو ایک خداوندی عطیہ ہے۔

جتنی زیادہ ہو نعمت ہے۔ اس کا چھپانا یہ بھی ایک قسم کا کفران نعمت ہے اور بڑی عمر میں تو کمال حاصل کرنا زیادہ کمال کی بات ہے کہ بڑا ہی شوقین ہے کہ اس عمر میں

---

(۱) دلوں پر۔ (۲) شرمندگی۔

بھی کمال کی دھن میں لگا رہتا ہے، اور ہر چند بے عقلوں کے نزدیک یہ موجب عار ہے تو بہت سے کافروں کے نزدیک مسلمان ہونا موجب عار ہے تو نعوذ باللہ کیا اسلام کو بھی جواب دے بیٹھیں گے۔ جیسے کفار کے عار سمجھنے سے مذہب اسلام کو ترک نہیں کرتے۔

فساق(۱) کے عار سمجھنے سے وضع اسلام کو کیوں عار سمجھا جائے۔ یہ سب شیطانی خیالات ہیں۔ سخت افسوس یہ ہے کہ بعضے طالب علم عربی پڑھنے والے بھی اس بلا میں مبتلا ہیں۔ ان کی شان میں بجز اس کے کیا کہا جائے کہ "چار پائے بروے (۲) کتابے چند۔" ان لوگوں پر سب سے زیادہ وبال پڑتا ہے۔ اول تو اوروں سے زیادہ واقف پھر اوروں کو نصیحت کریں۔ مسئلے بتائیں۔ خود بدعمل ہوں، عالم بے عمل کے حق میں کیا کیا وعیدیں قرآن وحدیث میں وارد ہیں، پھر ان کو دیکھ کر اور جاہل گمراہ ہوتے ہیں۔ ان کی گمراہی کا وبال انہی کے برابر ان پر پڑتا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ جو شخص باعث ہوتا ہے کسی گناہ کا وہ بھی شریک اس کے وبال کا ہوتا ہے، میرے نزدیک مدرسین و مہتممین مدارس اسلامیہ پر واجب ہے کہ جو طالب علم ایسی حرکت کرے یا اور کوئی امر خلاف وضع شرعی کرے، اگر توبہ کر لے تو فبہا ورنہ مدرسہ سے خارج کر دینا چاہیے۔ ایسے شخص کو مقتدائے قوم بنانا تمام مخلوق کو تباہ کرنا ہے۔

بے ادب را علم و فن آموختن
دادن تیغ ست دست راہزن

ترجمہ:۔ بے ادب کو علم وفن کا سکھانا ایسا ہے کہ تلوار ڈاکو کے ہاتھ میں دینا اور یاد رہے کہ نائی کو بھی جائز نہیں کہ کسی کے کہنے پر ایسا خط بنائے جو شرعاً ممنوع ہو۔ خواہ ڈاڑھی کا یا سر کا۔ کیونکہ گناہ کی اعانت بھی گناہ ہے۔ اس کو چاہیے کہ عذر وانکار کرے۔

---

(۱) گناہ گاروں۔ (۲) گدھوں پر کتابیں

پانچویں فصل

منجملہ ان رسوم کے داڑھی کا سیاہ خضاب کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے آخری زمانہ میں کچھ لوگ ہوں گے کہ سیاہ خضاب کریں گے، جیسے کبوتر کا سینہ، ان لوگوں کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے۔ اور عقل بھی اس فعل کے قبیح ہونے کو مقتضی ہے کیونکہ سیاہ خضاب کر کے اپنے بڑھاپے کو چھپاتا ہے اور دیکھنے والے کو دھوکا دیتا ہے اور فطرت الٰہی کو بدلنا چاہتا ہے اور یہ سب امور قبیح ہیں۔ ابوداؤد میں روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے سفید بال مت نوچو، پس بلاشک وہ نور ہے مسلمان کا۔ اور حدیث شریف میں بعض عورتوں پر لعنت آئی ہے جو اپنے بناؤ سنگھار کے واسطے اپنی خلقی (۱) وضع کو بدلیں۔ اور اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں **المغيرات لخلق الله** (۲)۔ سفید بال نوچنے کی ممانعت سے بڑھاپے کو چھپانے کی برائی اور دوسری حدیث سے قدرتی وضع کو بدلنے کی برائی معلوم ہوئی۔ سیاہ خضاب میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ اس لئے عقلاً بھی ممنوع ہوا۔

بعضے لوگ کہتے ہیں کہ وسمہ کا سیاہ خضاب اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس لئے کہ حدیث میں مہندی اور نیل کے خضاب کی اجازت آئی ہے اور مہندی اور نیل سے سیاہ رنگ ہو جاتا ہے۔ مگر یہ امر لازم نہیں، کیونکہ مہندی اور نیل کی ترکیبیں مختلف ہیں۔ بعضے اہل تجربہ کا قول ہے کہ اگر دونوں کو مخلوط کر لیں تو سیاہ رنگ ہوتا ہے اور اگر دونوں کو جدا جدا لگائیں تو سرخ ہوتا ہے۔ بعض سے سیاہی ہوتی ہے، بعض سے نہیں ہوتی۔ جب حدیث میں سیاہ خضاب سے مطلقاً ممانعت آئی ہے تو حنا اور نیل کا خضاب اسی ترکیب سے جائز ہوگا جس میں سیاہی نہ آئے؛ جیسا کہ ظاہر ہے اور سیاہ خضاب کے

---

(۱) قدرتی۔ (۲) جو بدلنے والیاں ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرتی بنائی ہوئی ہیئت کو۔

ممنوع ہونے کی جو علت ہے وہ تو وسمہ میں برابر ہے۔ علت کے اشتراک سے حکم کا اشتراک ضروری ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ خضاب وہ منع ہے جس میں نیلگونی ہو۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کبوتر کے سینے سے تشبیہ دی ہے اور کبوتر کا سینہ اسی رنگ کا ہوتا ہے اور جو بالکل سیاہ ہو جائز ہے۔ اس تقریر پر سخت تعجب ہوتا ہے۔ تشبیہ سے تو استدلال کیا حالانکہ تشبیہ میں ادنیٰ مشارکت بھی کافی ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ گہرے رنگ ہونے میں تشبیہ دی ہو یا مطلق سیاہی میں ہو اگرچہ اوصاف سیاہی کے متفاوت ہوں۔ محاورات میں برابر اس قسم کی تشبیہات استعمال کی جاتی ہیں اور حدیث میں جو لفظ "سواد" تصریحاً موجود ہے اس پر نظر نہ کی اور بلا ضرورت تاویل کی۔ غرض سواد میں تاویل کرنے سے تشبیہ میں توجیہہ کرنا زیادہ اقرب (۱) ہے۔ جیسا کہ اہل علم پر پوشیدہ نہیں۔ دوسری علت ممانعت کی جو اوپر مذکور ہوئی، سیاہی میں زیادہ پائی جاتی ہے اور نیلگونی میں کم، تو تعجب ہے کہ جس میں علت ادنیٰ درجہ کی پائی جائے وہ تو ممنوع ہو اور جس میں اعلیٰ طریق پر پائی جائے وہ جائز ہو پھر یہ کہ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ کبوتر کا سینہ نیلگوں ہی ہوتا ہے۔ بعض کبوتر کا سینہ نہایت گہرا سیاہ ہوتا ہے۔ غرض کوئی دلیل قوی اس کے جواز کی نہیں پائی گئی۔ اگر کسی کو زیادہ تحقیق ہو حسبۃً للہ وہ اس رسالہ کے حاشیہ پر ثبت فرمائیں۔ البتہ اعداء دین کے مقابلہ کے وقت بغرض ہیبت دلانے کے فقہاء نے جائز کہا ہے، سو ممکن ہے کہ آیت تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ اور حدیث اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ کے عموم میں اس کو داخل کر لیا جائے۔

بعض لوگ امام ابو یوسفؒ کی روایت کو پیش کیا کرتے ہیں سو بشرط ثبوت اس روایت کے اور ان کے رجوع نہ کرنے کے جواب یہ ہیں کہ رسم المفتی میں یہ بات مقرر ہو چکی ہے کہ صاحبین میں اگر اختلاف ہو تو جس کے ساتھ امام اعظمؒ ہوں گے

(۱) بہت قریب ۱۲

کی قول پر فتویٰ ہوگا۔ خصوصاً جب کہ وہ قول دلیل صریح صحیح سے مؤید بھی ہو۔ اس لئے امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرنا خلاف اصول مقررہ مذہب حنفی ہے اور بوجہ موجود ہونے دلیل صحیح صریح کے خلاف دیانت بھی ہے۔ البتہ اور رنگوں کا خضاب جائز ہے کہ اس میں اخفا (۱) پیری کا نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ کے قول میں کچھ مناسب تاویل (۲) کر لینا چاہئے۔ جس سے مخالفت نص کا شبہ نہ رہے۔

چھٹی فصل

منجملہ ان رسوم کے داڑھی چڑھانا ہے یہ بھی حرام ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ اعفوا (۳) اللحی وارد ہے چونکہ امر حقیقۃً وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ چھوڑنا داڑھی کا واجب ہوا اور اس واجب کا ترک کرنا حرام ہوا۔ ظاہر ہے کہ داڑھی چڑھانے میں اس واجب کا ترک لازم آتا ہے۔ اس لئے وہ بھی حرام ہوا اور ابو داؤد کی حدیث میں ہے حضور پر نور ﷺ نے حضرت رویفعؓ سے فرمایا کہ شاید میرے بعد تمہاری عمر زیادہ ہو تو لوگوں کو خبر دے دینا کہ جو شخص داڑھی میں گرہ لگائے اور فلاں فلاں کام کرے پس بلا شک محمد (ﷺ) اس سے بیزار ہیں۔ گرہ لگانے میں داڑھی اپنی اصلی ہیئت سے بدلتی ہے اور اس میں تکلف پڑتا ہے۔ جہاں یہ امر پایا جائے گا وعید متعلق ہوگی۔ داڑھی چڑھانے میں ہیئت کا بدلنا اور اس میں تکلف پڑنا ظاہر ہے۔ عقلاً بھی غور کیا جائے تو وہ ہیئت تکبر کی ہے۔ تکبر اور اس کی ہیئتوں کا حرام ہونا قرآن و حدیث میں منصوص ہے۔ بہر حال عقلاً و نقلاً یہ عادت مذموم ہے۔ اس سے توبہ کرنا واجب ہے۔

---

(۱) پوشیدہ۔ (۲) وہ تاویل یہ ہے کہ مراد ابو یوسفؒ کی سیاہی سے گہرا سرخ ہے۔ کیونکہ گہرے سرخ میں سیاہی آ جاتی ہے۔ (۳) چھوڑ دو بڑھاؤ داڑھی

ساتویں فصل

منجملہ ان رسوم کے سر بیچ میں سے کھلوانا یا آگے سے بال لینا جس کو عربی میں قزع کہتے ہیں اور خود حدیث میں اس کی تفسیر آئی ہے کہ کہیں سے منڈا دیا جائے اور کہیں سے چھوڑ دیا جائے۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ قزع سے ممانعت فرماتے ہیں۔ بعضے یوں سمجھتے ہیں کہ بڑوں کے لئے بے شک ممنوع ہے، مگر بچوں کے لئے کیا حرج ہے۔ وہ غیر مکلف ہیں۔ یہ خیال بالکل باطل ہے۔ اگر بچے غیر مکلف ہیں تو گناہگار نہ ہوں گے مگر ان کے بزرگ تو غیر مکلف نہیں۔ ان کو گناہ ہوگا کہ بچوں کا ایسا سر کیوں بنوایا اور حدیث میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ اس کا کچھ سر منڈا ہے اور کچھ رہ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یا تو سب منڈا دو یا سب رہنے دو۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو خود اس فعل کا مذموم ہونا۔ دوسرے آپ ﷺ نے بچہ سمجھ کر خاموشی نہیں اختیار فرمائی بلکہ اس کے والی وارثوں کو منع فرمایا، جس سے ثابت ہوا کہ بچوں کے لئے بھی اجازت نہیں۔

آٹھویں فصل

ٹخنوں سے نیچے پائجامہ یا لنگی پہننا یا بہت لمبی آستین بنانا بہت لانبا شملہ چھوڑنا۔ حدیث بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نظر رحمت نہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف جو اپنی ازار کو اترانے کی راہ سے نیچے لٹکائے۔ دوسری حدیث میں اس لٹکانے کی حد آئی ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو ازار ٹخنوں سے نیچے ہو وہ دوزخ میں ہے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔ تیسری

حدیث میں دوسرے لباسوں میں بھی اس کا حرام ہونا مذکور ہے۔ ارشاد فرمایا رسول مقبول ﷺ نے کہ اسبال یعنی دراز کرنا اور حد سے بڑھانا ازار میں بھی ہوتا ہے اور کرتہ میں بھی اور عمامہ میں بھی۔ جو شخص ان میں سے کسی لباس کو تکبر کی راہ سے حد سے زیادہ بڑھائے اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہ کریں گے قیامت کے روز۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ نے اور اسی کی مؤید (۱) ایک اور حدیث ہے جس میں یہ ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے کپڑے کو اترا (۲) کر بڑھائے گا اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے روز نظر رحمت نہ فرمائیں گے۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔ اس میں مطلقاً کپڑے کو فرمایا، جس میں تمام کپڑے آ گئے، جس میں ازار کے بڑھانے کی حد تو حدیث میں آ گئی ہے۔

اور دوسری پوششوں کی نسبت علماء محققین نے فرمایا ہے کہ آستین کا انگلیوں سے آگے بڑھانا اور شملہ کا نصف کمر سے نیچے ہونا۔ یہ سب اسبال ممنوع ہے۔ بعض کج فہم یوں کہتے ہیں کہ حدیث میں تو اس کی ممانعت آئی ہے جو براہ تکبر ہو۔ ہم تو تکبر سے نہیں کرتے، اس لئے ہمارے لئے جائز ہے۔

سو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اول تو یہ کہنا غلط ہے کہ ہم تکبر سے نہیں کرتے، اچھا پھر کیوں کرتے ہو۔ وضع مسنون کیوں اختیار نہیں کرتے ہو، اس لئے اختیار کرنے میں دل یوں تنگ ہوتا ہے۔ اونچے پائنچوں کو حقیر کیوں جانتے ہو۔ اگر یہ تکبر نہیں تو کیا ہے۔

دوسرے یہ کہ حدیث میں جو تکبر کی قید آئی ہے یہ کیا ضرور ہے کہ قید احترازی ہو، ممکن ہے کہ قید واقعی ہو، چونکہ اکثر لوگ اس قصد سے کرتے ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ نے یہ قید ذکر فرمائی اور ممنوع ویسے بھی ہے۔ چنانچہ دوسری حدیث میں ہے جو شروع فصل ہذا میں لکھی گئی ہے، جس میں ٹخنوں کی حد کا ذکر ہے، اس میں یہ قید تکبر کی

(۱) تائید کرنے والی۔ (۲) یعنی اکڑ کر ۱۲

مذکور نہیں، مطلقاً ارشاد ہوا ہے، جس سے یہ ثابت ہوا کہ خواہ تکبر ہو یا نہ ہو ہر حال میں ممنوع ہے۔ ہاں تکبر میں ایک گناہ تکبر کا اور مل کر معصیت شدید ہو جائے گی۔ یہ دوسری بات ہے اور بلا تکبر ایک ہی معصیت رہے گی مگر رہے گی تو سہی۔ برأت (۱) اور جواز کی تو صورت نہ نکلی، اگر کوئی کہے ہم اس مطلق کو بھی اس مقید پر محمول کر لیں گے تو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ امر اصول حنفی میں بدلیل ثابت ہو چکا ہے کہ مطلق اپنے اطلاق پر رہا کرتا ہے۔ غرض کوئی گنجائش جواز کی نہیں۔

بعض لوگ تقویٰ جتلانے کو نماز میں اوپر کر لیتے ہیں۔ سو نماز سے خارج بھی تو گناہ سے بچنا واجب ہے۔ اس حیلہ سے کیا ہوتا ہے۔ بعض لوگ پائچے تو لمبے لمبے بناتے ہیں مگر بوتام (۲) ٹخنوں سے اونچے لگا لیتے ہیں کہ ٹخنوں سے اوپر چوڑیاں پڑی رہتی ہیں۔ یاد رکھو کہ اصل گناہ تو کپڑا برباد کرنے کا ہے۔ خواہ ٹخنے ڈھکیں یا کھلے رہیں۔ اس سے کیا بچاؤ ہوا اور یاد رہے کہ درزی کو بھی ایسا کپڑا سینا جائز نہیں کیونکہ گناہ کی اعانت گناہ ہے، صاف انکار کر دینا چاہئے کچھ رزق ایسے ہی کپڑے سینے پر منحصر نہیں ہے۔

نویں فصل

منجملہ ان رسوم کے گھر میں تصویروں کا لگانا اور بلا ضرورت کتوں کا رکھنا ہے۔ حدیث میں ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے "نہیں داخل ہوتے فرشتے (رحمت کے) جس گھر میں کتا یا تصویر ہو۔" روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے اور حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ سب سے زیادہ عذاب اللہ تعالیٰ کے نزدیک تصویر بنانے والے کو ہوگا۔ اور حدیث میں ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص بجز ان تین

(۱) چھٹکارا۔ (۲) بٹن

غرض کے کتا پالے۔(۱) مویشی کی حفاظت۔(۲) شکار۔(۳) کھیت کی حفاظت۔ اس کے ثواب میں سے ہر روز ایک قیراط (۱) کم ہوتا رہے گا۔ روایت کیا اس کو مسلم و بخاری نے۔ ان حدیثوں سے تصویر بنانا، تصویر رکھنا، بلا ضرورت کتا پالنا سب کا حرام ہونا ثابت ہوگیا۔ اس زمانہ میں تہذیب جدید کے لوازم میں سے یہ دونوں امر ہوگئے۔ تصویر جزو مکان اور کتا داخل اہل و عیال سمجھا جاتا ہے۔ ذرا بھی دل کو انقباض (۲) اور روک ٹوک نہیں، بے دھڑک دونوں چیزیں برتی جاتی ہیں۔

بعض لوگوں پر اس قدر عقل پرستی کا غلبہ ہے کہ کتے کے اوصاف حمیدہ بیان کر کے وجہ ممانعت دریافت کرتے ہیں۔ گویا در پردہ نعوذ باللہ اس حکم شرعی کے عبث اور لغو ہونے کے مدعی ہیں۔ اگر سچ مچ ان کے دلوں میں ایسا خیال ہے تو تجدید ایمان ضروری ہے۔ مسلمان بننے کے بعد احکام شرعیہ کی علت ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں۔ احکام مجازی کے بہت سے قوانین و احکام کی علت سمجھ میں نہیں آتی اور پھر بے چوں چرا ان کو مانتے ہیں تو حاکم حقیقی کے احکام میں کیوں چوں و چرا کی جائے۔ اگر کوئی کہے کہ ہمارا دین تو عقل کے موافق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عقل کے موافق ضرور ہے مگر عقل کی رسائی تو وہاں تک ضروری نہیں۔ مثلاً بہت سی چیزیں حس بصر سے دریافت کرنے کے قابل ہیں۔ مگر اندھوں کو تو ادراک نہیں ہوسکتا۔ یہ عقل والے کا کام ہے کہ علت احکام کو سمجھ لے، یہ عقل انبیاء اور اولیاء کاملین و علماء (۳) راسخین کو عطا ہوئی ہے۔ عوام کی عقل میں اس قدر قوت نہیں اور کوئی ڈگری یا پاس حاصل کر لینے سے زمرۂ عوام سے خارج نہیں ہو جاتا۔ پھر یہ کہ مراد اس سے دین کے اصول ہیں کہ وہ عقلی ہیں۔ یعنی جو قرآن و حدیث کو بھی نہ مانتا ہو۔ اس کو توحید و رسالت کی تعلیم دلیل عقلی سے ممکن ہے۔ رہ گئے فروع، مثلاً فلاں چیز حرام کیوں ہے، فلاں چیز حلال کیوں

(۱) دوسری حدیث میں اس عالم کی قیراط کی مقدار پہاڑ احد کے برابر آئی ہے۔ (۲) رکاوٹ
(۳) پکے عالم

ہے۔ اس کا عقلی ہونا یا یں معنی ضروری نہیں۔ بلکہ اس کو دلیل شرعی سے مان لینا چاہئے اور عقل کے موافق بھی یہی بات ہے کہ حاکم کو حاکم ماننے کے لئے جتنی حجتیں چاہئیں کر لی جائیں، جب حاکم ہونا تسلیم کر لیا، پھر اس کے ہر ہر حکم میں حجتیں کرنا صریح بغاوت ہے۔ میں خیر خواہی سے عرض کرتا ہوں کہ ہر حکم کی علت ڈھونڈھنا اور اس کے تسلیم میں علت کا انتظار کرنا بالکل الحاد کا پھاٹک ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔ غرض حکم شرعی کو بلانزاع مان لینا واجب ہے۔ ہاں ماننے کے بعد تحقیق حکمت کے لئے بطور استفادہ کے اگر غور کیا جائے تو وجہ بھی نکل آتی ہے۔ چنانچہ راقم ریل میں ایک بار سفر کر رہا تھا، ایک نوجوان کتا لئے ہوئے سوار تھے۔ اور انہوں نے کتے کے کمالات بیان کر کے یہی سوال کیا۔ میں نے عرض کیا کہ جناب بے شک کتے میں یہ کمالات ہیں مگر اس میں ایک عیب ایسا سخت ہے جس نے تمام کمالات پر خاک ڈال دی ہے، اس لئے شرعاً خبیث قرار پایا۔ پوچھنے لگے وہ کیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس میں قومی ہمدردی نہیں۔ اپنے ہم جنس کو دیکھ کر اس کی جو کیفیت ہوتی ہے سب کو معلوم ہے۔ چونکہ جواب صحیح تھا اور سائل کے مذاق کے موافق بھی تھا۔ بس دم بخود ہو گئے، بلکہ خوش ہو کر موافقت کر لی۔ بعض لوگ زبردستی کی ضرورتیں تراش لیتے ہیں کہ ہم نے حفاظت مکان کے لئے پالا ہے۔ صاحب اللہ تعالیٰ ارادہ اور نیت کو دیکھتے ہیں۔ جب خاص مقصد تفریح سے پالتے ہیں تو ایسی تصنیفی ضرورت سے اجازت نہیں ہو سکتی۔ پھر کتے سے تو حفاظت وہ کرے جس کے پاس نوکر، دربان، پہرہ دار نہ ہو۔ جب ماشاء اللہ ایک ایک کام کے لئے متعدد نوکر ہیں تو کتوں کی کون سی ضرورت رہ گئی۔ اسی طرح شکار کا پورا سامان بندوق، چھرہ جس کو میسر ہو وہ کتے کیوں پالے۔

اسی طرح بعض لوگ تصویر کے مقدمہ میں معارضہ کرتے ہیں کہ ہم پوری تصویر نہیں بناتے اور نہیں رکھے، بلکہ صرف گردن تک ہوتی ہے اور جب تصویر میں ایسا عضو کم ہو جائے جس کے بغیر حیات ممکن نہیں تو ایسی تصویر جائز ہوتی ہے۔ ان حضرات

نے بھی ناحق دخل در معقولات دیا۔

اصل یہ ہے کہ عضو کے کم ہو جانے سے حرکت اس لئے نہیں رہتی کہ وہ تصویر نہیں معلوم ہوتی، بلکہ جھاڑ یا درخت وغیرہ معلوم ہونے لگتا ہے اور چہرہ تو تمام تصویر کی ناک ہے۔ جب یہ باقی ہے بس پوری تصویر کے قائم مقام ہے اور ہرگز اس کی اجازت نہیں ہو سکتی۔

لوگ مانعین پر اعتراضاً کہتے ہیں کہ صاحب تم روپیہ گھر میں کیوں رکھتے ہو۔ اس میں بھی تو تصویر ہے۔ یہ طعن بھی نہایت بے جا ہے۔ بات یہ ہے کہ روپیہ تو ایک ضرورت کی چیز ہے، ضرورت میں تنگی کم ہو جاتی ہے اور یہ لوگ محض زینت و آرائش کے شوق میں تصویر لگاتے ہیں۔ کجا یہ کجا وہ، بعض لوگ فوٹو کو حرمت تصویر سے مستثنیٰ سمجھتے ہیں کہ اس میں خود بخود تصویر اتر آتی ہے۔ کوئی بناتا نہیں۔ ماشاء اللہ کیا غضب کا اجتہاد ہے۔ اس کا سامان جمع کرنا، صاحب تصویر کے روبرو اس کا رکھنا، یہ تصویر کشی نہیں تو کیا ہے۔

دسویں فصل

منجملہ ان رسوم کے غیر مذہب والوں کی وضع بنانا ہے۔ لباس میں یا طرز نشست و برخاست میں خورد و نوش میں یا کسی اور امر میں۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص مشابہت اختیار کرے کسی قوم کے ساتھ پس وہ انہیں میں سے ہے۔ روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد نے۔

حضرت عبداللہ بن عمر بن ابی العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے بدن پر دو کپڑے کسم کے رنگے ہوئے ملاحظہ فرمائے۔ پس ارشاد فرمایا کہ یہ

شک یہ کپڑے کافروں کے ہیں ان کومت پہنو۔روایت کیا اس کو مسلم نے۔

حضرت ابی ریحانہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دس چیزوں کو منع فرمایا۔منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ فرمایا کوئی اپنے کندھے پر حریر کا ٹکڑا لگانے لگے مثل اہل عجم کے۔روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ یہود ونصاریٰ خضاب نہیں کرتے تم ان کی مخالفت کرو۔روایت کیا اس کو بخاری ومسلم نے۔اور اس باب میں اس کثرت سے حدیثیں آئی ہیں کہ حصر دشوار ہے۔ ان سب حدیثوں سے صاف تشبہ (۱) بالکفار کا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے۔ایک حدیث میں لباس کی مشابہت کا ذکر ہے۔ایک حدیث میں ان کے رنگنے نہ رنگنے کا حال مذکور ہے۔ایک میں مطلق تشبہ ممنوع ہے جو اپنے اطلاق کی وجہ سے تمام امور کو شامل ہے۔اس زمانہ میں بعض لوگوں کے دل کو یہ بات ہرگز نہیں لگتی۔کوئی صاحب تو حدیثوں کا انکار فرماتے ہیں کہ حدیث کا اعتبار ہی نہیں۔غضب ہے، ظلم ہے۔جس علم کا ایک ایک ٹکڑا ہو لف سے بلکہ اس وقت کے راوی سے لے کر جناب رسول مقبول ﷺ تک بسند متصل وصحیح ثابت ہو اور ہر زمان میں ایک ایک راوی کے حالات ولادت (۲) ووفات وسفر شیوخ وتلامذہ (۳) وکیفیت تدوین (۴) وصدق وقوت حافظہ وصحت عقیدت وغیرہ سے کھود کرید ہوتی رہی ہو اور ذرا بھی کسی بات میں فرق یا شبہ پڑا۔فوراً اس کو ترک کر دیا گیا ہو جو فن اس تنقید وتحقیق سے مدون (۵) ہوا ہو اس کا تو اعتبار نہ ہو اور تاریخ جس میں ہزاروں رطب (۶) ویابس بھرے ہوں، مورخ کے قیاسات قرار پا گئے ہوں۔مورخین میں اس شدت وکثرت سے اختلاف ہو کہ تطبیق کی صورت ہی نہ بن سکے، ان لوگوں کا ایماندار اور سچا ہونا محدثین کی برابر قوت حافظہ کا ہونا ثابت ہوا ہو، اس کا ہر ہر جزو گویا جزو ایمان سمجھا جائے، اس بے انصافی کی

(۱) کفار جیسی صورت بنانا۔۱۲ (۲) پیدائش۔(۳) شاگرد۔(۴) رینداری۔

(۵) مرتب۔(۶) بھلا برا

کوئی حد بھی ہے۔ بعض صاحب فرماتے ہیں کہ حدیث تشبہ کی ضعیف ہے۔ اللہ اکبر جن صاحبوں کو اتنی خبر نہ ہو کہ حدیث ضعیف کیا ہے۔ وہ حدیث پر ضعف کا حکم لگا ئیں۔ اچھا صاحب ایک حدیث ضعیف ہی سہی، مگر یہ بے شمار حدیثیں کیا سب بلا دلیل ضعیف مان لی جائیں گی۔ پھر یہ مسئلہ تو قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ ان کی تفسیر اور شان نزول تو ذرا تحقیق فرمائیے۔ اور خود حکم کاف کو جو تشبیہ کے لئے ہے ملاحظہ فرمائیے تو معلوم ہوگا کہ قرآن مجید سے یہ مسئلہ ثابت ہے۔ پھر کیا قرآن مجید کو بھی ضعیف کہہ دیا جائے گا۔ خدا خیر کرے، بعض لوگ عقلی شبہات اس میں پیدا کرتے ہیں کہ صاحب اگر تشبہ حرام ہے تو کھانا بھی مت کھاؤ، چہرہ پر سے ناک بھی اڑا دو کیونکہ دوسری قوموں کے ساتھ اس میں بھی شرکت ہے۔

اس کی تو ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص زنا کے حرام ہونے پر یہ شبہ کرے کہ صاحب اگر یہ حرام ہے تو نکاح میں جو صحبت ہوتی ہے وہ بھی حرام ہونا چاہئے کیونکہ صورت فعل میں تو دونوں کو شرکت ہے۔ بات یہ ہے کہ جس فن میں آدمی کو دخل نہ ہو اس میں گفتگو نہ کرے، کیوں بے فائدہ اپنی بے قدری ظاہر کرے، یہ مسئلہ شرعی ہے، اہل شرع سے اس کی تحقیق کر لینا چاہئے کہ تشبہ حرام کیوں ہے۔ اس کو سمجھ کر پھر جو کچھ کہنا ہو کہے۔

سو اس کی تحقیق یہ ہے کہ جو امر خود مذموم و ممنوع ہو، اس میں تو تشبہ مطلقاً حرام ہے۔ مثلاً پتلون میں جس میں ٹخنے ڈھکے ہوں، اگر اس میں تشبہ سے بھی قطع نظر کی جائے تو بوجہ ٹخنے ڈھک جانے کے یہ ممنوع ہے۔ جیسا اوپر حدیث آ چکی ہے اور اب چونکہ اس میں تشبہ بھی ہے، مضاعف (۱) گناہ ہو جائے گا اور اگر وہ فعل فی نفسہ غیر مذموم اور مباح (۲) ہے تو اگر بقصد تشبہ اس کو کیا جائے یا کسی ایسی قوم کا عرفاً خاصہ ہو تو

(۱) دو گناہ۔ (۲) جائز رکھا گیا۔

بھی ناجائز ہوگا اور اگر خود وہ فعل حلال ہے اور قصد تشبہ کا بھی نہیں، نہ کسی قوم کا خاصہ ہے تو درست ہے تو قواعد واحکام شرعیہ کو ٹٹولنے سے اس قاعدہ کی تصدیق ہو سکی ہے۔ اب ناک کاٹنے اور کھانا چھوڑنے کا شبہ بالکل دفع ہو گیا اور جس جس تشبہ حرام میں لوگ مبتلا ہو رہے ہیں، بنظر انصاف سے سب کا حال معلوم ہو گیا۔ اول تو جن چیزوں میں مشابہت اختیار کر رکھی ہے وہ ایک قوم کا عرفاً خاصہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اپنے اہل وطن کو اس وضع میں دیکھ کر جمہور خلائق کو وحشت ہوتی ہے اور خاصہ کا ممنوع ہونا اوپر گذر ہی چکا اور اگر کھینچ تان کر کوئی شخص ان اوضاع کو خاصہ کے افراد سے نکال کر تمام ملک اور تمام قوموں میں عام وشائع قرار دے۔ گو یہ دعویٰ غلط ہے۔

ان اوضاع میں ایسا عموم وشیوع نہیں کہ عرفاً اس قوم کا خاصہ نہ سمجھا جائے، جو لوگ کسی حکومت پر ہیں یا اس قسم کی صحبت زیادہ رہتی ہے بجز ان کے تمام ملک اور تمام قوم اپنی پرانی وضع لئے ہوئے ہیں اور اگر فرضاً تسلیم بھی کر لیا جائے تو خاصہ نہ سہی مگر جو شخص اس وضع کو اختیار کرتا ہے اس کا قصد تو تشبہ ہی کا ہوتا ہے۔ چنانچہ اکثر اوقات بے ساختہ اقرار بھی کر لیتے ہیں کہ صاحب اس وضع سے لوگوں کی نظر میں وقعت اور ان پر ہیبت ہوتی ہے۔ کیونکہ اہل حکومت کی وضع ہے، اس مصلحت سے یہ وضع اختیار کی گئی ہے۔ غرض اقرار بھی ہے اور قرائن (۱) قویہ سے بھی یہ یقینی ہے۔ جب قصد تشبہ کا ہوا حرام ہو گیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے ٹوپی ترکی پہن لی ہے، اب تو تشبہ نہیں رہا۔ اب تو وہ ترکی ٹوپی بھی ہمارے ملک میں نیچریوں کا شعار ٹھہر گیا۔ اس کا پہننا کون سا تعریف کا کام ہے۔ پھر یہ کہ اگر ٹوپی بدل جائے تو چلو ٹوپی میں مشابہت نہیں رہی۔ ایک گناہ ہلکا ہوا باقی جتنے عددوں میں تشبہ ہے اتنے گناہ اس پر رہے۔ اس میں برأت کی

(۱) یعنی علامتیں ۱۲۔

صورت کیا نکلی۔ اس طرح کے اور بھی لچر شبہات (۱) پیش کیا کرتے ہیں۔ جن کا جواب اصول مذکورہ کی تحقیق کے بعد ہر شخص سمجھ لے گا۔

اب دو دلیلیں ان حضرات کے مزاج کے موافق عرض کرتا ہوں۔ ایک نقلی جو ان کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ دوسری عقلی جو بوجہ غلبہ عقل پرستی کے اس سے بھی زیادہ تسلیم کے قابل ہوگی۔ نقلی دلیل وہ جملہ ہے جس کو اپنے ہر لیکچر میں اسلام کی خوبیاں کرنے کے ضمن میں فرمایا جاتا ہے **لا رهبانية في الاسلام**۔ حد متوسط سے زیادہ اپنے نفس پر تشدد کرنے کی نہی اور نفی لفظ رہبانیۃ سے کیوں فرمائی گئی۔ رہبانیۃ کے کیا معنی ہیں۔ یہ لفظ رہب سے بنایا گیا ہے یا نہیں اور راہب کس کو کہتے ہیں۔ درویش نصرانی کو کہتے ہیں یا نہیں۔

اگر یوں فرما دیتے، اپنے نفس پر زیادہ تشدد مت کرو جب بھی تو مطلب حاصل ہو جاتا، یہ کیوں فرمایا کہ اسلام میں راہب بننے کی اجازت نہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ غلو (۲) اور تشدد کے مذموم ہونے کی علت بتلانا منظور ہے کہ اس میں راہبوں کی مشابہت ہوتی ہے تو مسلمان ہو کر کیوں راہب بنتے ہو۔ اب بتلایئے تشبہ کا حرام و مذموم ہونا ثابت ہوا یا نہیں۔ دلیل عقلی یہ ہے کہ اگر کسی صاحب سے جو مسئلہ تشبہ میں الجھ رہے ہیں، مخلی (۳) بالطبع ہونے کے وقت مجمع عام میں ایک زنانہ جوڑا پیش کر کے عرض کیا جائے کہ اس کو زیب بدن فرمالیجئے، تو یقین ہے کہ اگر ان کا قابو چلے تو مستدعی (۴) کی جان تک لینے میں دریغ نہ فرمائیں۔

کیوں صاحب تشبہ کا مسئلہ اگر کوئی باوقعت نہیں تو اس مقام پر عورت کے ساتھ تشبہ ہونے سے تھوڑے فرق کی وجہ سے یہ ناگواری ہے تو کافروں کے ساتھ تشبہ کرنے سے تو بوجہ اختلاف دین زیادہ غیرت ہونی چاہئے اور واضح رہے کہ حکم وردی اس حکم سے مستثنیٰ ہے، کہ وہ شعار منصب کا ہے۔ اس کو تشبہ سے کوئی علاقہ نہیں۔

(۱) علامت ۱۲۔ (۲) حد سے بڑھنا ۱۲۔ (۳) خالی الذہن ۔ (۴) درخواست کرنے والا ۱۲

دوسرا باب

پہلی فصل

منجملہ ان رسوم کے شادی کی اکثر بلکہ تمام رسمیں ہیں جو دنیا میں آنے کے وقت سے اپنے اصلی وطن کی روانگی کے وقت تک عمل میں لائی جاتی ہیں اور جو بڑے بڑے ثقہ اور عاقل لوگوں میں طوفان عام کی طرح پھیل رہی ہیں اور جن کی نسبت لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس میں گناہ کی کون سی بات ہوتی ہے۔ مرد یا عورتیں جمع ہوتی ہیں، کچھ کھلانا پلانا ہوتا ہے، کچھ دینا دلانا ہوتا ہے، کوئی ناچ رنگ نہیں، پھر اس میں شرع کے خلاف ہی کیا ہے جس سے روکا جائے۔

حضرات اس غلط گمان کی وجہ صرف یہ ہوئی کہ رواج عام نے قوت نظریہ(۱) کو ضعیف کر دیا کہ چند امور جو ظاہراً مباح ہیں ان کو دیکھ لیا اور جو ان کے اندر پنہانی اور اندرونی مفاسد اور خرابیاں ہیں وہاں تک نظر نہ پہنچ سکی۔ جیسا کوئی نادان بچہ مٹھائی کا ذائقہ و رنگ دیکھ کر سمجھتا ہے کہ یہ تو بڑی اچھی چیز ہے اور مضرتوں پر نظر نہیں کرتا جو اس میں مخفی ہیں اور جن کو ماں باپ سمجھتے ہیں اور اس لئے روکتے ہیں اور وہ ان خیر خواہوں کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ حالانکہ ان رسوم میں جو خرابیاں ہیں وہ زیادہ پوشیدہ اور

(۱) سوچ سمجھ کی قوت ۱۲۔

مخفی نہیں ہیں، بلکہ اکثر لوگ ان خرابیوں کے مقر اور ان کی وجہ سے پریشان ہیں۔ مگر مرگ انبوہ کے طور پر سب خوشی خوشی اس کو کرتے ہیں اور ناصح سے منقبض (۱) ہوتے ہیں۔ سو ان میں سے ایک رسم اولاد کے پیدا ہونے کے وقت کی ہے۔ جس میں یہ مفاسد ہوتے ہیں۔

۱۔ یہ ضروریات زمانہ سے سمجھا جاتا ہے کہ حتیٰ الامکان پہلا بچہ باپ کے گھر ہونا چاہیے، جس میں بعض اوقات جب وہ عورت سسرال میں موجود ہو، قریب زمانہ میں باپ کے گھر بھیجنے کی پابندی میں یہ بھی تمیز نہیں رہتی کہ آیا یہ سفر کے قابل بھی ہے یا نہیں، جس سے بعض اوقات کوئی بیماری لگ جاتی ہے، حمل کو نقصان پہنچتا ہے۔ مزاج میں ایسا تغیر واقع ہوتا ہے کہ اس کو اور بچہ کو مدت تک بھگتنا پڑتا ہے۔ بلکہ اہل تجربہ کا قول ہے کہ اکثر بیماریاں بچوں کو زمانہ حمل کی بد احتیاطیوں سے ہوتی ہیں۔ غرض دو جانوں کا اس میں نقصان پیش آتا ہے۔ پھر یہ کہ ایک اور امر غیر ضروری کی اس قدر پابندی کہ کسی طرح ٹلنے نہ پائے، اپنی طرف سے ایک جدید شریعت تصنیف کرتا ہے۔ بالخصوص جب کہ اس کے ساتھ یہ عقیدہ ہو کہ اس کے خلاف کرنے سے کوئی نحوست ہوگی یا ہماری بدنامی ہوگی۔ اعتقاد نحوست تو شعبہ (۲) شرک کا ہے کہ غیر اللہ کو نافع (۳) یا ضار (۴) سمجھا، اسی واسطے حدیث میں اس کی صاف نفی آئی ہے کہ بدشگونی کوئی چیز نہیں اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ ٹوٹکا شرک ہے اور بدنامی کا اندیشہ ہے، یہ شعبہ تکبر کا ہے۔ جس کا حرام ہونا قرآن وحدیث میں منصوص ہے۔ اور اکثر خرابیاں اور پریشانیاں اسی ننگ و ناموس کی بدولت طوق گلو (۵) ہو گئی ہیں۔

۲۔ بعض جگہ قبل پیدائش چھاج یا چھلنی میں کچھ اناج اور سوا روپیہ مشکل کشا

(۱) گھٹتے ہیں۔ (۲) شاخ ۱۲۔ (۳) نفع دینے والا ۱۲۔ (۴) ضرر دینے والا ۱۲۔
(۵) یعنی گلے میں پڑ گئی ہیں۔

کے نام کا رکھا جاتا ہے، یہ صریح شرک ہے۔

۴۔ بعد پیدائش کے گھر والے کے ساتھ کنبہ کی عورتیں بھی بطور نوتہ کے کچھ جمع کر کے دائی کو دیتی ہیں اور ہاتھ میں نہیں دیتیں، بلکہ ٹھیکری میں ڈال دیتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے، یہ کون سا طریقہ دینے کا معقول ہے کہ ہاتھ کو چھوڑ کر ٹھیکری میں ڈالا جائے، اور ٹھیکری میں نہ ڈالیں، ہاتھ میں دیں، تب بھی غور کرنے کی بات ہے کہ ان دینے والوں کا مقصود اور نیت کیا ہے۔ جس وقت یہ رسم ایجاد ہوئی ہوگی، اس وقت کی تو خبر نہیں کہ کیا مصلحت ہو شاید بوجہ مسرت (۱) طبعی کے ہو کہ سب عزیزوں کا دل خوش ہوا، بطور انعام کے سب نے کچھ دے دیا۔ مگر اب تو یقینی بات ہے کہ خواہ مسرت ہو یا نہ ہو ضرور دینا ہوتا ہے۔ بعض عورتیں کنبہ کی نہایت مفلس اور نادار مگر باصرار ان کو بلایا جاتا ہے۔ اگر نہ جائیں تو تمام عمر شکایت گائی جائے اور اگر جائیں تو اٹھنی چونی کا انتظام کر کے لے جائیں نہیں تو بیبیوں میں سخت ذلت اور شرمندگی ہے۔ غرض جاؤ اور جبراً قہراً دے کر آؤ۔ کیسا صریح ظلم ہے کہ گھر بلا کر لوٹا جائے۔ بجائے مسرت کے بعضوں کو پورا جبر گزرتا ہے مگر یہ امکان نہیں کہ یہ ٹیکس نہ ادا کیا جائے۔ سرکاری مالگذاری میں اکثر مہینوں کی دیر ہو جاتی ہے مگر اس میں ایک منٹ کا توقف بھی نہیں ہوتا، بلکہ میعاد سے پہلے مہیا کر لینا واجب ہے۔ فرمائیے کہ اس طرح اور اس نیت سے مال کا خرچ کرنا یا لینے والے کو یا گھر والوں کو اس لینے دینے کا باعث بننا کہاں جائز ہے۔ کیونکہ دینے والی کی نیت تو محض تعزز و ترفع ہے۔ جس کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص شہرت کا کپڑا پہنے گا قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کو ذلت کا لباس پہنائیں گے۔ یعنی جو کپڑا خاص شہرت کی نیت سے پہنا جائے معلوم ہوا کہ کوئی کام شہرت کی غرض سے کرنا جائز نہیں۔ یہاں تو خاص یہی نیت ہوتی ہے کہ دیکھنے والے کہیں گے کہ فلاں نے یہ دیا، ورنہ مطعون (۲) کریں گے کہ ایسے

(۱) دلی خوشی۔ (۲) ملامت

آنے کی کیا ضرورت تھی۔ دینے والے کو تو یہ گناہ ہیں۔ اب آپ لینے والے کو سنئے۔ حدیث میں آیا ہے کہ کسی مسلمان کا مال حلال نہیں بدون اس کے دل کی خوشی کے، جب ایک شخص نے جبراً کراہیت سے دیا، لینے والے کو لینے کا گناہ ہوا۔ اگر دینے والا باوسعت ہے اور اس کو جبر بھی نہیں گزرا مگر غرض تو اس کی بھی ترفع اور افتخار ہے۔ جس کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے ان لوگوں کی دعوت کرنے سے جو فخر کے لئے کھانا کھلائیں۔ غرض ایسے شخص کا کھانا یا اس کی چیز لینا بھی ممنوع ہے۔ کیونکہ اس میں اس کی معصیت کی اعانت ہے اور اعانت معصیت خود معصیت ہے۔ غرض لینے والا بھی گناہ سے نہ بچا۔ اب گھر والوں کو لیجئے کہ وہی لوگ بلا بلا کر باعث اس معصیت کے ہوئے۔ وہ یوں مبتلا ہوئے۔ غرض اچھا نوتہ پڑا کہ سب کو گناہ میں نوت دیا اور رسم نوتہ کی اکثر تقریبات میں ادا کی جاتی ہے۔ جس میں علاوہ مفاسد مذکورہ کے یہ خرابی ہے کہ حسب قاعدہ "المعروف بالمشروط" یہ تو طے ہوگیا کہ یہ قرض لینا ممنوع ہے، اور نوتہ میں کچھ ضرورت پر نظر نہیں ہوتی۔ ثانیاً وقت وسعت کے ادا کر دینا چاہئے۔ اگر نوتہ کا بدل کوئی شخص اگلے دن دینے لگے تو ممکن نہیں کہ کوئی شخص قبول کر لے۔ ثالثاً گنجائش ہو یا نہ ہو، مگر اس کا ادا کرنا لازم ہے۔ غرض تینوں حالتوں میں شریعت کی مخالفت کی جاتی ہے۔ اس لئے یہ رسم نوتہ کی جس طرح متعارف ہے جائز نہیں رہی۔

۴۔ پھر نائن گود میں کچھ اناج ڈال کر سارے کنبہ اور برادری میں بچہ کا سلام کہنے جاتی ہے اور وہاں سب عورتیں اس کو کچھ اناج دیتی ہیں۔ اس میں بھی وہی خیالات اور نیتیں ہیں جو نمبر ۳ میں مذکور ہوئی ہیں۔

۵۔ گھر پر سب کمینوں کو حق دیا جاتا ہے جس کو ۳۶ تہانہ کہتے ہیں۔ ان میں بعض تو خدمت گزار ہیں، ان کو تو خواہ حق سمجھ کر یا انعام سمجھ کر دیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ بلکہ مستحسن ہے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ اپنی گنجائش کا لحاظ رکھے۔ یہ نہیں کہ مطعون

ہونے کے اندیشہ سے خواہی نخواہی قرض لے۔ گو سودی ملے، اپنی زمین، باغ کو فروخت کرے یا گروی رکھے۔ اگر ایسا کرے گا تو بوجہ ارتکاب نمود کے یا بلا ضرورت قرض لے کر لوگوں کے مال تلف کرنے کے اور سود دینے کے جو کہ گناہ میں سود لینے کے برابر ہے یا تکبر وافتخار کے جو کہ نصاً حرام ہے یا اسراف کے، جس کی حرمت بھی منصوص ہے، ان وجوہ میں ضرور گناہ گار ہوگا۔ خدمت گاروں کے انعام میں گفتگو تھی۔ بعض کمین وہ ہیں جو بھی مصروف نہیں، نہ وہ کوئی خدمت کریں نہ کسی کام آئیں نہ ان سے کوئی ضرورت متعلق مگر قرض خواہوں سے بڑھ کر تقاضا کرنے کو موجود اور خواہی نخواہی ان کو دینا ضرور، اس میں بھی جو خرابیاں اور وجوہ معصیت کے دینے والوں اور لینے والوں کے لئے ہیں، جمع ہیں، ان کا بیان اوپر آچکا ہے۔ حاجت اعادہ نہیں۔ علاوہ بریں جب ان کا کوئی حق واجب نہیں، ان کو دینا محض احسان ہے اور احسان میں زبردستی حرام ہے۔ اور اس رسم کو جاری رکھنا تائید فعل حرام کی ہے اور حرام کی تائید بھی حرام ہے۔

۶۔ پھر دھیانیوں کو دودھی دھلائی کے عنوان سے کچھ دیا جاتا ہے۔ اس میں بھی وہی ضروری سمجھنا اور جبراً اور قہراً (۱) دینا، یا اگر خوشی سے دیا تو ناموری اور سرخروئی کے لئے دینا سب ظلمتیں موجود ہیں اور کفار کے ساتھ تشبہ جدا رہا جس سے اس میں بھی جواز کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

۷۔ اچھوانی پھر گوند اور پنجیری سارے کنبہ اور برادری میں تقسیم ہوتی ہے۔ اس میں بھی اسی قدر مفاسد اور نماز روزہ سے بڑھ کر ضروری سمجھنے کی علت موجود ہے۔ بالخصوص پنجیری میں تو اناج کی ایسی بے قدری ہوتی ہے کہ الٰہی توبہ! تقریب والے کی تو اچھی خاصی لاگت لگ جاتی ہے اور وہ کسی کے منہ تک بھی نہیں جاتی، پھر اناج کی ایسی بے ادبی کہیں جائز نہیں ہو سکتی۔

---

(۱) زبردستی۔

۸۔ نائی اطلاعی خط لے کر بہو کی سسرال میں جاتا ہے اور وہاں اس کو کچھ انعام دیا جاتا ہے۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ جو کام ایک پیسہ کے کارڈ میں نکل سکتا ہے اس کے لئے خاص کر ایک آدمی کو جانا یہ کونسا امر معقول ہے۔ پھر خواہ سسرال میں کھانے کو میسر ہو یا نہ ہو مگر نائی صاحب کا قرض نعوذ باللہ خدا کے قرض سے بڑھ کر سمجھا جاتا ہے۔ ادا کرنا ضروری ہے اور وہی ناموری کی نیت ہونا وغیرہ جو ظلمات ہیں وہ یہاں بھی رونق افروز ہیں۔ اس لئے یہ بھی جائز نہیں ہو سکتا۔

۹۔ پھر سوا مہینے کا چلہ نہانے کے وقت پھر سب عورتیں کنبہ کی جمع ہوتی ہیں اور کھانا وہاں کھاتی ہیں اور رات کو کنبہ یا برادری میں دودھ چاول تقسیم ہوتے ہیں۔ بھلا صاحب یہ زبردستی کھانے کی ٹھگ لگانے کی کیا وجہ؟ دو قدم پر گھر مگر کھانا کھائیں یہاں! وہی مثل مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ ان کی طرف سے تو یہ زبردستی اور گھر والوں کی نیت ناموری اور طعن تشنیع سے بچنے کی، یہ دونوں وجہ اس کی ممانعت کے لئے کافی ہیں۔ اسی طرح دودھ چاول کی تقسیم یہ بھی محض لغو ہے۔ ایک بچے کے ساتھ تمام بزرگان کنبہ کو شیر خوار بنانے کی ضرورت کیا تھی۔ پس اس میں بھی وہی نام و نمود کا زہر اس رسم کو ممنوع ہونے کے لئے کافی ہے۔

۱۰۔ اس سوا مہینے تک زچہ کو نماز کی ہرگز توفیق نہیں ہوتی۔ بڑی بڑی پابند نماز بے پرواہی کر جاتی ہیں۔ مسئلہ شرعیہ ہے کہ نفاس کے اقل درجہ کی کوئی حد نہیں۔ جس وقت خون بند ہو جائے فوراً غسل کر لے اور غسل نقصان کرے تو تیمم کر کے نماز پڑھنا شروع کرے۔ ایک وقت کی فرض نماز بھی بلا عذر شرعی چھوڑنا سخت گناہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایسا شخص دوزخ میں ہوگا، فرعون، ہامان اور قارون کے ساتھ۔

۱۱۔ پھر باپ کے گھر سے سسرال میں آنے کے لئے چھوچھک کی تیاری ہوتی ہے جس میں حسب مقدور سب سسرال والوں کے جوڑے اور برادری کے لئے پنجیری اور لڑکی کے لئے زیور، برتن، جوڑے وغیرہ ہوتے ہیں۔ جب بہو چھوچھک

لے کر سسرال میں آئی، وہاں سب عورتیں چھوچھک دیکھنے آتی ہیں اور ایک وقت کھانا کھا کر چلی جاتی ہیں۔ ان سب امور میں جو کچھ پابندی ہے کہ پابندی فرائض سے بڑھ کر برتی جاتی ہے۔ اور وہی نیت نمائش و ناموری کی ہونا، وہ ظاہر ہے جس میں حدود شرعیہ سے تجاوز اور تکبر و افتخار کوٹ کوٹ کر بھرا گیا ہے، جس کے حرام ہونے میں آیات و احادیث بکثرت موجود ہیں۔ آداب مسنونہ تولد کے وقت یہ ہیں کہ جب لڑکا پیدا ہو اس کو نہلا دھلا کر اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر کہی جائے اور کسی بزرگ متقی سے تھوڑا چھوہارا چبوا کر اس کے تالو کو لگا دیا جائے، اور باقی تمام امور مذکورہ یا اذان کی مٹھائی یہ سب فضول اور غیر معقول اور مکروہ ہیں۔

دوسری فصل

منجملہ ان کے وہ رسوم ہیں جو عقیقہ کے ساتھ برتی جاتی ہیں۔ اس روز لڑکے کے لئے دو بکرے، لڑکی کے لئے ایک بکرا ذبح کرنا اور اس کا گوشت کچا یا پکا تقسیم کر دینا اور بالوں کی برابر چاندی وزن کر کے تقسیم کر دینا۔ بس یہ سنت و مستحب ہے۔ باقی جو فضولیات اس میں تصنیف ہوئے ہیں ملاحظہ کے قابل ہیں:

ا۔ برادری اور کنبہ کے مرد جمع ہو کر بعد موتراشی (۱) بچہ کی کٹوری میں بطور نوتہ کے کچھ ڈالتے ہیں جو نائی کا حق سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ عرفاً صاحب خانہ کے ذمہ سمجھا جاتا ہے۔ جس کا ایسے ہی موقعہ پر ادا کرنا وہی پابندی ہے کہ اگر پاس نہ ہو تو قرض لو، گو سودی ملے جو سراسر تعدی (۲) حدود شرع سے ہے۔ اور وہی نیت ناموری اور طعن و الزام سے بچنے کی جو شعبہ تکبر حرام کا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ قرض کا قاعدہ یہ ہے

(۱) بال کٹوانا۔ (۲) تجاوز۔

کہ آدمی حاجت کے وقت ادا کر دیتا ہے۔ یہ عجیب قرض ہے کہ خواہ حاجت ہو یا نہ ہو مقروض بنو اور پھر جس وقت ادا کرنا چاہو ادا نہ کر سکو۔ اگر کوئی شخص اگلے دن نوتہ کا روپیہ ادا کرنے کے لئے جائے تو صاحب نوتہ ہرگز ہرگز نہ لے اور یہی کہے کہ ہم نے کیا آج کے لینے کے واسطے دیا تھا۔ ہمارے یہاں جب کوئی تقریب ہوگی تو تم دے دینا۔ سو احادیث میں جو دین (۱) کے باب میں وعیدیں آئی ہیں اس سے مراد وہی قرض ہے جو بلا حاجت ہو، خواہ مخواہ بے ضرورت مقروض ہونا، بلاشک مرضی شارع علیہ السلام کے خلاف ہے۔ پھر ایک شخص ایک حق واجب سے سبکدوش ہونا چاہے اور اس کو کوئی شخص گرانبار رکھنے کی کوشش کرے تو یہ بھی امر مذموم ہے۔ سو اس نوتہ کی رسم میں یہ دونوں خرابیاں ہیں۔ ایک لینے والے کے واسطے، دوسری دینے والے کے واسطے۔

۲۔ دھیانیاں (۲) یہاں بھی وہی اپنا حق جو واقع میں ناحق ہوتا ہے لیتی ہیں، جس میں تشبہ کفار کے علاوہ یہ خرابیاں ہیں:۔

۱۔ دینے والے کی نیت فاسد ہونا۔ کیوں کہ یہ یقینی بات ہے کہ بعض اوقات گنجائش نہیں ہوتی اور دینا گراں گزرتا ہے۔ مگر صرف اس وجہ سے کہ نہ دینے میں طعن وخجالت (۳) ہوگی، دینا پڑتا ہے۔ اس کو ریاء و نمود کہتے ہیں اور ریاء و شہرت کے لئے مال خرچنا حرام ہے۔

۲۔ لینے والے کی یہ خرابی کہ دینا فی ذاتہ تبرع (۴) ہے اور تبرعات میں شرعاً جبر حرام ہے اور یہ بھی شرعاً جبر ہی ہے کہ اگر وہ نہ دے تو اس پر لعن طعن ہو، بدنام ہو، خاندان بھر میں نکو بنے اور اگر خوشی سے بھی دے تب بھی شہرت اور ناموری کی نیت ہونا یقینی ہے۔ جس کی ممانعت قرآن و حدیث میں صاف صاف مذکور ہے۔

۳۔ بجیری کی تقسیم کا قضیہ یہاں بھی ہے جس کا نامعقول ہونا اوپر مذکور ہو چکا

(۱) قرض۔ (۲) بہن بھانجیاں وغیرہ۔ ۱۲۔ (۳) شرمندگی۔ (۴) احسان

ہے اور طلب شہرت وریاء کی وجہ سے ممنوع ہونا ظاہر ہے اور یہی خرابیاں اس رسم میں ہیں جو دانت نکلنے کے وقت ہوتی ہیں کہ کنبہ میں گھونگنیاں تقسیم ہوتی ہیں اور ان کا ناغہ ہو جانا فرض وواجب کے ناغہ ہو جانے سے بڑھ کر مذموم وعیب سمجھا جاتا ہے اور اسی طرح وہ رسم جو دودھ چھوڑنے کے وقت رائج ہے مبارکباد کے لیے عورتوں کا جمع ہونا اور خواہی نخواہی ان کی دعوت ضروری ہونا اور کھجوروں کا برادری میں تقسیم ہونا۔ غرض یہ سب ایک حالت میں ہیں۔

تیسری فصل

منجملہ ان رسوم کے مکتب کی رسم ہے، جس طرح اہتمام والتزام کے ساتھ لوگوں میں شائع ہے اس میں یہ خرابیاں ہیں:

۱۔ چار برس چار مہینہ چار دن کا اپنی طرف سے مقرر کرلینا، جس کی کوئی اصل صحیح نہیں پائی گئی، جیسا کہ خاتمہ مجمع البحار میں شیخ علی متقیؒ کا فتویٰ اس معمول کے بے اصل ہونے میں منقول ہے۔ پھر اس کا ایسا اہتمام اور اصرار کہ جس طرح ہو اس کے خلاف نہ ہونے پائے اور عوام تو اس امر کو شرعی سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے عقیدہ میں فسادات اور شریعت کے احکام میں ایک حکم کا ازدیاد(۱) وایجاد لازم آتا ہے۔

۲۔ تقسیم شیرینی کا لازم سمجھنا اس طرح کہ اس کے ترک کو موجب بدنامی و اہانت سمجھیں، تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ محض ادائے شکر مقصود نہیں، ورنہ ادائے شکر کی بہت سی صورتیں ہیں۔ ان میں سے جس کو چاہتا بے تکلف اختیار کرلیتا۔ کبھی کھانا کھلا دیتا۔ کبھی غریب محتاجوں کو غلہ یا نقد کپڑا تقسیم کردیتا، کبھی کسی مسجد یا مدرسہ

(۱) زیادتی کرنا

میں ادا کر دیتا اور کبھی جب گنجائش نہ ہوتی زبانی شکر یا ایک آدمی کا کھانا دے کر اس پر اکتفا کرتا۔ تمام عمر ایک طریق کی پابندی کرنا صرف رواج کی وجہ سے ہے کہ اس کے خلاف کرنے سے لوگ مطعون کریں گے تو اس میں بھی وہی خرابی ریاء و نمود و اشتہار و افتخار کی موجود ہے۔

۳۔ بعض مقدور والے چاندی کی قلم دوات سے چاندی کی تختی پر لکھا کر بچہ کو اس میں پڑھواتے ہیں۔ سونا چاندی کا استعمال خود کرنا یا دوسرے کو کرانا خواہ بڑا ہو یا چھوٹا سب حرام ہے۔

۴۔ بعض لوگ اس وقت بچے کو غیر مشروع لباس پہناتے ہیں۔ ریشمی یا زری کا یا کسم و زعفران کا رنگا ہوا۔ ایک گناہ یہ ہوا۔

۵۔ کمینوں اور دھائیوں کا اس میں بھی فرض سے بڑھ کر حق سمجھا جاتا ہے۔ جو مر مار کر جس طرح ہو ادا کرو، ورنہ نکو بنو۔ جبراً کسی کے مال لینے کی یا ریاء کسی کو دینے کی برائی اوپر گزر چکی ہے، یہ بھی موقوفی کے قابل ہے۔ بس جب لڑکا بولنے لگا اس کو کلمہ سکھاؤ۔ جیسا مجمع البحار اور شرح شرعۃ الاسلام اور ابن السنیؒ میں منقول ہے اور شرح شرعۃ الاسلام میں ان آیتوں کی تلقین کو زیادہ کیا ہے۔ فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ آخر سورۂ مومنون تک۔ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ تا آخر سورۂ حشر۔ اور ایک روایت میں اس کی تعلیم آئی ہے وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا۔ ابن السنیؒ نے اس کا حضور رسول مقبول ﷺ کے معمولات شریف سے ہونا حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ اور کسی معتبر بزرگ کی خدمت میں اس کو لے جا کر بسم اللہ کہلاؤ اور اس نعمت کے شکریہ میں اگر دل سے بلا پابندی جو توفیق ہو خفیہ طور سے راہ خدا میں کچھ خیر خیرات کر دو۔ باقی سب کھکھنڈ ہیں۔

چوتھی فصل

منجملہ ان کے وہ رسوم ہیں جو ختنہ میں عوام نے اضافہ کر رکھی ہیں:

۱۔ لوگوں کو آدمی اور خطوط بھیج کر بلانا اور جمع کرنا، جو بالکل خلاف سنت ہے۔ مسند احمدؒ میں حسنؓ سے روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کو کسی نے ختنہ میں بلایا۔ آپ نے تشریف لے جانے سے انکار فرمایا۔ آپ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی۔ آپ نے جواب دیا کہ ہم لوگ عہد رسول ﷺ میں نہ جاتے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت میں جس امر کا اعلان ضروری نہیں اس کے لئے لوگوں کو جمع کرنا، بلانا خلاف سنت ہے۔ اس میں بہت سی رسمیں آ گئیں۔ جن کے لئے لمبے چوڑے اہتمام ہوتے ہیں۔

۲۔ بعض موقع پر لڑکا قریب بلوغ کے ہوتا ہے۔ جس کا بدن مستور دیکھنا بجز ختنہ کرنے والے کے دوسروں کو بلاضرورت حرام ہے۔ سب بے تکلف دیکھتے ہیں اور گناہ گار ہوتے ہیں اور ان گناہوں کا باعث بلانے والا ہوتا ہے۔

۳۔ کٹوری میں نوتہ پڑنے کا فضیحتہ یہاں بھی ہے۔ جس کی خرابیاں اسی باب کی فصل اول و دوم میں مذکور ہو چکی ہیں۔

۴۔ بچہ کی ننھیال کی طرف سے کچھ نقد و پارچہ دیا جاتا ہے۔ جس کو عرف عام میں بھات کہتے ہیں جس کی اصل فاسد یہ ہے کہ کفار ہند اولاد دختری کو میراث نہیں دیتے۔ جاہل مسلمانوں نے ان کی دیکھا دیکھی یہ شیوہ اختیار کیا اور اگر فرضاً اس کی تقلید نہیں کی، خود ہی یہ رسم ایجاد کی ہو تب بھی بری رسم ہے۔ کسی حقدار کا حق جس کو اللہ و رسول ﷺ نے مقرر فرمایا ہو اس کو نہ دینا اور بلا طیب خاطر ذی حق کے اس سے خود منتفع ہونا عقلاً و شرعاً ہر طرح سے برا ہے۔ غرض جب دختر (۱) کو میراث سے محروم کیا تو

(۱) لڑکی ۱۲

طفل تسلی کے طور پر اس کا تدارک یہ اختراع کیا گیا کہ مختلف موقعوں اور تقریبوں میں ان کو کچھ دے دیا جایا کرے گا۔ گویا ان کا حق جو ہمارے ذمے تھا وہ اس بہانہ سے ادا ہو گیا۔ سو ظاہر ہے کہ اس طرح دیئے دلانے سے ہرگز ان کا وہ حق ادا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ادائے حق کی شرعاً دو صورتیں ہیں۔ یا تو عین حق یا اس کے عوض دوسری شے ادا کی گئی ہو۔ سو یہ معاوضہ ہے۔ اس میں معاوضہ کی تمام شرائط جن کی رعایت شرعاً واجب ہے، موجود ہونا ضروری ہے جو کہ کتاب فقہ کے کتاب البیع میں مذکور ہیں اور اگر دونوں صورتیں نہ ہوں تو اصل حق ذمے رہتا ہے۔

مثلاً کسی شخص کے ذمے کسی کا روپیہ آتا ہو اور وہ اس کی دعوت کر کے اس میں ایک روپیہ کی شیرینی یا طعام کھلائے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اس سے وہ روپیہ ادا نہ ہو گا بلکہ بدستور واجب رہے گا۔ سو ظاہر ہے کہ بھات میں جو دیا جاتا ہے وہ نہ عین حق ہے اور نہ اس میں معاوضہ کی شرائط جمع ہیں، یونہی اپنی من سمجھوتی ہے۔ غرض وجہ اس ایجاد کی یا تو رسم کفار کا اتباع ہے کہ وہ بھی حرام ہے اور یا بنا اس کی ظلم ہے کہ وہ بھی حرام ہے۔ دو خرابیاں تو اس کی یہ ہیں۔ تیسری خرابی اس میں یہ ہے کہ خواہ اس موقع پر ننھیال والوں کے پاس ہو یا نہ ہو، ہزار جتن کرو، سودی قرض لو، کوئی چیز گروی رکھو، جس میں آج کل یا تو نقد سود دینا پڑتا ہے یا پیداوار۔ اس جائیداد کی مرتہن لیتا ہے کہ وہ بھی سود ہی ہے۔ گو زمینداروں کے فرقے نے اس کو حلال سمجھ لیا ہے۔ (رسالہ صفائی معاملات میں بفضلہ تعالیٰ سب شبہات اس کے متعلق رفع کر دیئے گئے ہیں۔)

بہرحال سود کی پرواہ نہیں رہتی۔ غرض کچھ ہو، مگر یہاں کا سامان ضرور ہو۔ اب فرمائیے، جب ایک امر غیر ضروری بلکہ معصیت کا اہتمام ایسے زور و شور سے کہ فرائض و واجبات کا بھی وہ اہتمام نہ ہو تو یہ تعدی حدود شرعیہ سے ہے یا نہیں۔ چوتھی خرابی یہ ہے کہ نیت اس میں بھی وہی شہرت اور تفاخر کی ہے جس کا حرام ہونا بار بار مذکور ہو چکا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اپنے عزیزوں سے سلوک کرنا عبادت ہے۔ جواب

یہ ہے کہ صلہ رحمی وسلوک منظور ہوتا تو بلا پابندی رسم جب ان کو حاجت ہوتی ہے ان کی خدمت کرتے، اب تو عزیزوں پر خواہ فاقے گزر جائیں خبر بھی نہیں لیتے۔ اپنے نام و نمود کے لئے تاویل صلہ رحمی کی سوجھنے لگی۔

۵۔ بعض شہروں میں یہ آفت ہے کہ اس تقریب میں یا خصوصیت سے غسل صحت کے روز خوب راگ باجہ ہوتا ہے اور کہیں ناچ ہوتا ہے، کہیں ڈومنیاں گاتی ہیں۔ جن کا مذموم (۱) ہونا اول میں لکھا گیا ہے۔ اور جس کے مفاسد (۲) انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب مذکور ہوں گے۔ غرض ان خرافات و معاصی کو موقوف کرنا چاہئے۔ جب بچہ میں قوت برداشت کی دیکھی جائے، چپکے سے نائی کو بلا کر ختنہ کرادیں۔ جب اچھا ہو جائے غسل کرادیں۔ اگر گنجائش ہو اور بار بھی نہ ہو اور پابندی بھی نہ کرے اور شہرت و نمود اور طعن و بدنامی کا بھی خیال نہ ہو، شکر میں دو چار اعزہ و احباب یا دو چار مساکین کو ماحضر کھلا دے۔ اللہ اللہ خیر صلاح!

پانچویں فصل

منجملہ ان رسوم کے منگنی کی رسم ہے، جس کی قیامت کبریٰ یعنی شادی کی تمہید ہونے کی وجہ سے قیامت صغریٰ کہنا زیبا ہے۔ اس میں یہ واقعات ہیں:

۱۔ جب منگنی ہوتی ہے تو خط لے کر نائی آتا ہے۔ لڑکی والے کی طرف سے شکرانہ بنا کر حجام کے روبرو رکھا جاتا ہے۔ اس میں بھی وہی غیر لازم امر کا اپنے ذمے لازم کرالینا ہے کہ فرض و واجب ٹل جائے مگر یہ نہ ٹلے۔ ممکن ہے کہ کسی کے گھر میں اس وقت دال روٹی ہو، مگر جہاں سے ہو شکرانہ کرو، ورنہ منگنی مشکوک ہوگئی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور التزام مالا یلزم اور تعدی حدود شرعیہ کا ہونا مذکور ہو چکا ہے۔ ایک تو یہ امر

(۱) برا۔ (۲) برائیاں

خلاف شرع ہوا، پھر اس بے ہودہ امر کے لئے اگر سامان موجود نہ ہو تو قرض لینا جس کا بلاضرورت لینا ممنوع اور ایسے ہی قرض پر وعید آئی ہے۔ گو قلیل ہی قرض ہو دوسرا امر خلاف شرع یہ ہوا۔

۲۔ حجام کو کھانا کھلا کر خوان میں سو روپیہ جس قدر لڑکی والے نے دیئے ہوں ڈال دیتا ہے۔ لڑکے والا اس میں سے ایک یا دو روپیہ اٹھا کر باقی واپس کر دیتا ہے اور یہ روپیہ اپنے کمینوں کو تقسیم کر دیتا ہے۔ بھلا یہ سوچنے کی بات ہے کہ جب ایک یا دو روپیہ لینا دینا منظور ہے تو خواہ مخواہ سو روپیہ کو کیوں تکلیف دی اور اس رسم کے پورا کرنے کے واسطے بعض اوقات بلکہ اکثر سودی قرضہ لینا پڑتا ہے جو حدیث میں موجب لعنت ہے۔ اور اگر قرض بھی نہ لیا تب بھی بجز افتخار اور اظہار عظمت اس میں کون سی مصلحت عقلی ہے۔ جب یہ عادت سب کو معلوم ہوگئی کہ ایک یا دو سے زیادہ نہ لیا جائے تو پھر سو کیا ہزار روپیہ میں بھی وہ عظمت اور شان نہیں رہی۔ عظمت تو جب ہوتی جب دیکھنے والے یہ سمجھتے کہ تمام روپیہ نذر کیا گیا ہے۔ اب تو بجز تمسخر اور بازیچۂ طفلان (۱) کے اور کچھ نہیں۔ مگر لوگ کرتے ہیں اسی تفاخر اور عظمت کے دکھلانے کو اور افسوس کہ بڑے بڑے عقلاء جو اوروں کو عقل سکھلائیں، اس رسم دشمن عقل میں گرفتار ہیں۔ غرض اس میں بھی اصل وضع کے اعتبار سے ریاء کا گناہ اور باعتبار تقریر خیر کے ایک فعل لایعنی موجود ہے۔ ریاء کا گناہ ہونا تو ظاہر ہے اور اوپر مذکور بھی ہو چکا ہے اور فعل لایعنی کا مذموم ہونا بھی حدیث میں ہے:

ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ لایعنی باتوں کو ترک کر دے۔ غرض افعال لایعنی بھی مرضی شارع علیہ السلام کے خلاف ہیں اور اگر سودی روپیہ لیا گیا تو اس کی وعید سب ہی جانتے ہیں۔ غرض اتنی خرابیاں اس رسم میں موجود ہیں۔

(۱) بچوں کا کھیل ۱۲

۳۔ پھر لڑکی والا حجام کو ایک جوڑا مع کچھ نقد روپیہ کے دیتا ہے اور یہاں بھی وہی دل لگی کر دینا منظور ہے۔ ایک یا دو اور دکھلائیں سو۔ واقعی رواج عجب چیز ہے کہ کیسی ہی عقل کے خلاف کوئی بات ہو مگر عقلاء بھی اس کو کرتے ہوئے نہیں شرماتے۔ اس کی خرابیاں ابھی مذکور ہو چکی ہیں۔

۴۔ حجام کی واپسی کے قبل عورتیں جمع ہوتی ہیں اور ڈومنیاں گاتی ہیں۔ عورتوں کے جمع ہونے اور ڈومنیوں کے گانے کی خرابیاں اور خرابیوں کی وجہ سے اس کے خلاف شرع ہونا قیامت کبریٰ میں بیان کریں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ:

۵۔ حجام پہنچتا ہے اور اپنا جوڑا مع روپیوں کے گھر میں بھیج دیتا ہے۔ وہ جوڑا تمام برادری میں گھر گھر دکھلا کر حجام کو دے دیا جاتا ہے۔ غور فرمایئے، جہاں ہر ہر قدم پر معائنہ و ملاحظہ ہو وہاں کہاں نیت درست ہو سکتی ہے۔ بالیقین جوڑا بنانے کے وقت ہی سے یہ نیت ہوتی ہے کہ ایسا بناؤ کہ کوئی نام نہ رکھے۔ غرض ریاء بھی ہوئی اور اسراف بھی ہوا۔ جن کا گناہ قرآن وحدیث میں منصوص ہے اور مصیبت یہ ہے کہ بعض اوقات اس اہتمام پر بھی دیکھنے والوں کو پسند نہیں آتا۔ وہی مثل ہے کہ مرغی اپنی جان سے گئی اور کھانے والے کی داڑھ بھی گرم نہ ہوئی اور بعض عالی دماغ دیکھنے والے اس میں خوب عیب نکالتے ہیں اور بدنام کرتے ہیں۔ تو یہ غیبت کا گناہ ان کو ہوا اور اس کا باعث وہی جوڑا ہے۔ اس لئے بنانے والا بھی اس گناہ سے نہیں بچ سکتا۔ غرض بنانے والے کے پاس ریاء اور اسراف اور غیبت کی دولتوں کا ذخیرہ جمع ہوا۔ اور یہ دیکھنے والے غیبت کا سرمایہ لے بیٹھے بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عیب بھی نہ نکالا تو ریاء کے گناہ سے بھی بچنا ان کا مشکل ہے کیونکہ ان تعریف کرنے والوں ہی نے تو ریاء کرائی۔ اگر لوگ ایسے موقع میں جوڑا دیکھتے اور تعریف نہ کرتے تو کرنے والوں کی کیوں نیت بگڑتی۔ بہر حال اچھا دائرہ ہے کہ کوئی بھی اس کے محیط سے خارج نہیں۔

۶۔ کچھ عرصے کے بعد لڑکی والے کی طرف سے کچھ مٹھائی مع انگشتری اور رومال

اور کسی قدر روپے کہ جس کو عرف میں نشان کہتے ہیں بھیجی جاتی ہے اور یہ روپیہ بطور نوتہ کے جمع کر کے بھیجا جاتا ہے یہاں بھی وہی ریاء اور اسراف کی علت موجود ہے اور نوتہ کی خرابیاں کچھ بیان بھی ہو چکی ہیں اور عنقریب قیامت کبریٰ میں مع جواب شبہ عوام کے بیان ہوں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ!

۷۔ جو حجام اور کہار اس شیرینی کو لے کر آتے ہیں تو حجام کو جوڑا اور کہاروں کو پگڑیاں اور کچھ نقد دے کر رخصت کر دیا جاتا ہے۔ اور شیرینی کو کنبہ کی عمر رسیدہ عورتیں جمع ہو کر ساری برادری میں گھر گھر تقسیم کرتی ہیں اور اسی کے گھر کھانا کھاتی ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ ان کہاروں کی کوئی اجرت معین نہیں کی جاتی نہ اس کا لحاظ ہوتا ہے کہ یہ خوشی سے جاتے ہیں یا ان پر جبر ہو رہا ہے۔ اکثر اوقات جانے والے اپنے کسی کاروبار یا اپنی بیماری یا کسی بیوی بچہ کی بیماری کا عذر پیش کرتے ہیں۔ مگر یہ بھیجنے والے اگر کچھ قابو دار ہوئے تو خود ورنہ دوسرے قابو دار (۱) بھائی سے ان کی کفش کاری (۲) کرا کے جبراً و قہراً بھیجتے ہیں اور اس موقع پر اکثر ان لوگوں سے جبراً کام لیا جاتا ہے جو کہ بالکل ظلم اور معصیت ہے اور دنیا میں بھی اکثر ظلم کا وبال پڑتا ہے اور آخرت میں جزا بالمثل موجود ہے اور اجرت کا مجہول ہونا یہ دوسرا امر خلاف شرع ہے۔

یہ تو اس کمیشن کی روانگی کے پھول کھلے۔ آگے تقسیم کا موجب ریاء ہونا محتاج بیان نہیں۔ پھر تقسیم میں جو انہماک ہوتا ہے اکثر نمازیں بانٹنے والے کی اڑ جاتی ہیں اور وقت کا تنگ ہو جانا تو ضروری بات ہے، ایک امر خلاف شرع یہ ہوا اور جن کے گھر یہ حصے جاتے ہیں ان کے نخرے اور بلا عذر شرعی ہدیہ کا واپس کر دینا محض کسی دنیوی رنج کی بناء پر یہ خود ایک امر شرع کے خلاف ہے۔ بلکہ قبول کرنا بھی اس رسم ریائی کی اعانت اور ترویج ہے۔ اس لئے یہ بھی شرعاً ناپسند ہے۔ ایک خلاف یہ ہوا۔

(۱) اثر و رسوخ والے۔ (۲) ڈانٹ ڈپٹ ۱۲

غرض یہ سب خرافات واجب الترک ہیں۔ بس ایک کارڈ سے یا زبانی گفتگو سے پیغام نکاح ادا ہوسکتا ہے۔

جانب ثانی اپنے طور پر ضروری امور کی تحقیق کر کے جب اطمینان ہو جائے ایک کارڈ یا زبانی وعدہ کرسکتا ہے۔ لیجئے منگنی ہوگئی۔ اگر اسی کام کے لئے یہ رسمیں برتی جاتی ہیں تو اول کسی مصلحت کے واسطے معاصی کا ارتکاب جائز نہیں۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود ان قصوں کے بھی جہاں مرضی نہیں ہوتی جواب دے دیتے ہیں۔ کوئی بھی کچھ نہیں کرسکتا۔

چھٹی فصل

منجملہ ان رسوم کے قیامت کبریٰ کی رسم ہے جس کو عرف میں شادی کہتے ہیں اور واقعی بربادی کہنا لائق ہے۔ اور بربادی بھی کیسی، دنیا کی بھی اور دین کی بھی۔ اس کا لقب قیامت کبریٰ رکھا گیا۔ اس کے ہولناک واقعات یہ ہیں:

ا۔ سب سے پہلے برادری کے مرد جمع ہوکر لڑکی والے کی طرف سے خط تعین تاریخ شادی کا لکھ کر نائی کو دے کر رخصت کرتے ہیں۔ یہ رسم ایسی ضروری ہے کہ چاہے برسات ہو، راہ میں ندی نالے پڑتے ہوں، جس میں حجام صاحب کے بالکل رخصت ہونے کا بھی احتمال ہو۔ غرض کچھ بھی ہو، مگر یہ ممکن نہیں کہ ڈاک کے خط پر اکتفا کریں یا حجام سے زیادہ کوئی معتبر آدمی جاتا ہو اس کے ہاتھ بھیج دیں۔ بتلایئے شریعت نے جس چیز کو ضروری نہیں ٹھہرایا اس کو اس قدر ضروری سمجھنا کہ شریعت کے ضروری بتلائے ہوئے امور سے زیادہ اس کا اہتمام کرنا، انصاف کیجئے، شریعت کا مقابلہ ہے یا نہیں اور جب مقابلہ ہے تو واجب الترک ہے یا نہیں۔ اسی طرح مردوں

کا اجتماع ضروری ہونا، اس میں بھی یہی التباس مذکور ہے۔ اگر کہا جائے کہ مشورہ کے لئے جمع کیا جاتا ہے تو بالکل غلط ہے۔ وہ بے چارے تو خود پوچھتے ہیں کہ کون سی تاریخ لکھیں، جو پہلے سے گھر میں خاص مشورہ کر کے معین کر چکے ہیں۔ وہ بتلا دیتے ہیں اور وہ لوگ لکھ دیتے ہیں اور اگر مشورہ ہی کرنا ہے تو جس طرح اور امور میں مشورہ ہوتا ہے کہ ایک دو عاقل مصلحت اندیش سے رائے لے لے۔ بس کفایت ہوئی۔ گھر گھر کے آدمیوں کو بٹورنا کیا ضروری ہے۔ پھر اکثر لوگ نہیں آ سکتے، اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بجائے اپنے بھیج دیتے ہیں وہ مشورہ میں کیا تیر چلا دیں گے۔ کچھ بھی نہیں۔ یہ نفس کی تاویلیں ہیں۔ سیدھی بات کیوں نہیں کہتے کہ صاحب یونہی رواج چلا آتا ہے۔ اسی رواج کا عقلاً و نقلاً مذموم ہونا اور واجب الترک ہونا بیان ہو رہا ہے۔ غرض اس رسم کے سب اجزاء خلاف شرع ہیں۔ پھر اس میں ایک ضروری امر یہ بھی ہے کہ سرخ ہی خط ہو اور اس پر گوٹہ بھی لپٹا ہوا ہو۔ یہ بھی اس التزام مالا یلزم کی فہرست میں داخل ہے۔ جس کا خلاف شرع ہونا ثابت اور مذکور ہو چکا ہے۔

۲۔ گھر میں برادری اور کنبہ کی عورتیں جمع ہو کر لڑکی کو علیحدہ مکان میں معتکف کر دیتی ہیں۔ جس کو مائیوں (۱) بٹھلانا کہتے ہیں۔ اس کے آداب یہ ہیں کہ اس کو چوکی پر بٹھلا کر اس کے داہنے ہاتھ پر ابٹنا رکھتے ہیں اور گود میں کچھ کھیلیں بتاشے رکھتے ہیں اور کچھ کھیلیں بتاشے حاضرین میں تقسیم ہوتے ہیں اور اسی تاریخ سے برابر لڑکی کے ابٹنا ملا جاتا ہے اور کثیر تعداد میں پنڈیاں برادری میں تقسیم ہوتی ہیں۔ یہ رسم بھی مرکب چند خرافات سے ہے۔ اول اس کے علیحدہ بٹھلانے کو ضروری سمجھنا خواہ گرمی ہو، حبس ہو، گو جالینوس و بقراط بھی کہیں کہ اس کو کوئی بیماری ہو جائے گی، مگر کچھ بھی ہو، یہ فرض قضا نہ ہو۔ وہی غیر ضروری کو ضروری سمجھنا یہاں بھی جلوہ افروز ہے اور اگر احتمال اس کے بیمار ہونے کا ہو تو دوسرا گناہ کسی مسلمان کو ضرر پہنچانے کا ہوگا۔ جس میں

(۱) یہ ہندوانی رسم ہے ۱۲

ماشاء اللہ ساری برادری شریک ہے۔ دوسرے بلاضرورت چوکی پر بٹھانا، اس کی کیا ضرورت ہے۔ کیا فرش پر اگر ابٹنا ملا جائے گا تو بدن میں صفائی نہ آئے گی؟ اس میں بھی وہی التزام مالا یلزم جس کا خلاف شرع ہونا بار بار مرقوم ہو چکا ہے۔ تیسرے داہنے ہاتھ پر ابٹنا رکھنا اور گود میں کھیلیں بتاشے بھرنا معلوم ہوتا ہے۔ یہ کوئی ٹونکا اور شگون ہے اور اگر ایسا ہے تو شرک ہے اور شرک کا خلاف شرع ہونا کون مسلمان نہیں جانتا۔ ورنہ التزام مالا یلزم تو ضرور ہے۔ اسی طرح بتاشوں کی تقسیم کی پابندی، یہ سب التزام مالا یلزم اور سب ریاء و افتخار ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ چوتھے عورتوں کا ضرور جمع ہونا، جوان فسادوں کی جڑ ہے۔ جیسا کہ اب عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ مذکور ہے۔ اگر بمصلحت بدن کی صفائی اور نرمی کے ابٹنا ملنے کی ضرورت ہو تو اس کا مضائقہ نہیں۔ مگر معمولی طور سے بلا قید کسی رسم کے مل دو، بس فراغت ہوئی۔ اس کا اس قدر طومار کیوں باندھا جاتا ہے۔

۳۔ جب حجام خط لے کر دولہا کے گھر گیا تو وہاں برادری کی عورتیں جمع ہو کر دو خوان شکرانے کی بناتی ہیں۔ جس میں ایک نائی کا، دوسرا ڈومنیوں کا ہوتا ہے۔ نائی کا خوان باہر بھیجا جاتا ہے اور ساری برادری کے مرد جمع ہو کر نائی کو شکرانہ کھلاتے ہیں۔ یعنی اس کھانے والے کا منہ تکا کرتے ہیں اور ڈومنیاں دروازہ پر بیٹھ کر گالیاں گاتی ہیں۔ اس میں بھی خوان بنانا اسی التزام مالا یلزم میں داخل اور خلاف شرع ہے۔ دوسری خرابی اس میں یہ ہے کہ ڈومنیوں کو ان کے گانے کی اجرت دینا حرام لکھا ہے۔ پھر گانا بھی گالیاں، جو خود موجب گناہ ہیں اور حدیث شریف میں اس کو علامات نفاق فرمایا ہے۔ یہ تیسرا گناہ ہوا۔ جس میں سب سننے والے شریک ہیں کیونکہ جو شخص گناہ کے مجمع میں شریک ہے وہ بھی گناہ گار ہوتا ہے۔ چوتھے مردوں کے اجتماع کا ضروری سمجھنا جو کہ التزام مالا یلزم میں داخل ہے۔ معلوم نہیں نائی کو شکرانہ کھلانے میں اتنے بزرگوں کو کیا مدد کرنی پڑتی ہے۔ بس کچھ بھی نہیں۔ بقول شخصے اوپر سے یونہی ہوتی آئی

ہے۔

۴۔ نائی شکرانہ کھا کر مطابق ہدایت اپنے آقا کے ایک روپیہ یا دو روپیہ خوان میں ڈال دیتا ہے اور یہ روپیہ دولہا کے حجام اور ڈومنیوں میں نصفا نصف تقسیم ہوتا ہے۔ اور دوسرا خوان بجنسہ ڈومنیاں اپنے گھر لے جاتی ہیں۔ پھر برادری کی عورتوں کے لئے شکرانہ بنا کر تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس میں بھی وہی ریاء وشہرت والتزام مالا یلزم موجود ہے۔ اس لئے بالکل شرع کے خلاف ہے۔

۵۔ صبح کو برادری کے مرد جمع ہو کر خط کا جواب لکھتے ہیں اور ایک جوڑا حجام کو نہایت عمدہ بیش قیمت مع ایک رقم کثیر کے یعنی سو دو سو روپیہ کے دیتے ہیں۔ وہی تمسخر جو اول ہوا تھا وہ یہاں بھی ہوا ہے کہ دکھلانے جاتے ہیں سو اور لئے جاتے ہیں ایک دو۔ پھر اس ریاء وحرکت لا یعنی کے علاوہ احیانا اس مہم کو پورا کرنے کو سودی قرض کی ضرورت پڑتا، یہ جداگانہ گناہ ہے جس کا ذکر مفصل اوپر آچکا ہے۔

۶۔ اب نائی رخصت ہو کر دلہن والوں کے گھر پہنچتا ہے۔ وہاں برادری کی عورتیں پہلے سے جمع ہوتی ہیں۔ حجام اپنا جوڑا گھر میں دکھلانے کے لئے دیتا ہے اور پھر ساری برادری میں گھر گھر دکھایا جاتا ہے۔ اس میں وہی عورتوں کی جمعیت اور جوڑا دکھلانے میں ریاء ونمود کی خرابی ظاہر ہے۔

۷۔ اس تاریخ سے دولہا کے ابٹنا ملا جاتا ہے اور تاریخ معینہ شادی تک کنبہ کی عورتیں جمع ہو کر دولہا کے گھر بری کی اور دلہن کے گھر جہیز کی تیاری کرتی ہیں اور اس درمیان میں جو مہمان فریقین کے گھر آتے ہیں ان کا آنے کا کرایہ دیا جاتا ہے۔ اس میں وہی عورتوں کی جمعیت اور التزام مالا یلزم تو ہے ہی اور کرایہ کا اپنے پاس سے دینا خواہ دل چاہے یا نہ چاہے محض نمود، اظہار شان کے لئے یہ مزید برآں ہے۔ اسی طرح آنے والوں کا یہ سمجھنا کہ کرایہ ان کے ذمے واجب ہے، یہ ایک قسم کا جبر ہے۔ ریاء و جبر دونوں کا خلاف شرع ہونا ظاہر ہے اور اس سے بڑھ کر قصہ بری وجہیز کا ہے جو

شادی کے اعظم ارکان سے ہیں اور ہر چند کہ یہ دونوں امر یعنی بری یا ساچق جو درحقیقت زوج یا اہل زوج کی طرف سے زوجہ یا اہل زوجہ کو ہدیہ ہے اور جہیز جو درحقیقت اپنی اولاد کے ساتھ صلہ رحمی ہے، فی نفسہٖ امر مباح بلکہ مستحسن ہے۔ مگر جس طور سے اس کا رواج ہے اس میں طرح طرح کی خرابیاں ہوگئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ نہ اب ہدیہ مقصود رہا، نہ صلہ رحمی بلکہ ناموری اور شہرت اور پابندی رسم کی نیت سے کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بری اور جہیز دونوں کا اعلان ہوتا ہے۔ بری بڑی دھوم دھام اور تکلف سے جاتی ہے اور اس میں اشیاء بھی معین ہیں۔ برتن بھی خاص طرح کے ضروری سمجھے جاتے ہیں، اس کا عام طور پر نظارہ بھی ہوتا ہے، موقع بھی معین ہوا ہے۔ اگر ہدیہ مقصود ہوتا تو کیف (۱) ما اتفق جب میسر آتا اور جو میسر آتا بلا پابندی کسی رسم کے اور بلا اعلان کے محض محبت سے بھیج دیا جاتا۔ اسی طرح جہیز کے اسباب بھی معین ہیں کہ فلاں چیز ضروری ہو اور تمام برادری اور بعض جگہ صرف اپنا کنبہ اور گھر والے اس کو دیکھیں گے اور دن بھی وہی خاص ہو۔ اگر صلہ (۲) رحمی مقصود ہوتی تو کیف ما اتفق جو میسر آتا اور جب میسر آتا بطور سلوک کے دے دیتے۔ اسی طرح ہدیہ اور صلہ رحمی کے لئے کوئی شخص قرض کا بار نہیں اٹھاتا، لیکن ان دونوں رسموں کے پوری کرنے کو اکثر اوقات مقروض بھی ہوتے ہیں، گو سود ہی دینا پڑے اور گو حویلی اور باغ ہی فروخت یا گروی ہو جائے۔ پس اس میں بھی التزام مالا یلزم اور نمائش اور شہرت اور اسراف وغیرہ سب خرابیاں موجود ہیں۔ اس لئے یہ بھی بطریق متعارف فہرست ممنوعات میں داخل ہوگیا۔

۸۔ برات سے ایک دن قبل دولہا والوں کا حجام مہندی لے کر اور دلہن والوں کا حجام نوشہ کا جوڑا لے کر اپنے اپنے مقام سے چلتے ہیں اور یہ منڈھے کا دن کہلاتا ہے، دولہا کے یہاں اس تاریخ پر برادری کی عورتیں جمع ہو کر دلہن کا جوڑا تیار کرلی ہیں اور ان

(۱) جس طرح ممکن ہوا ۱۲۔ (۲) سلوک کرنا ۱۲

کو سلائی میں تھیلیں اور بتاشے دیئے جاتے ہیں اور تمام کمینوں کو ایک ایک کام پر ایک ایک پردت، اس میں بھی وہی التزام مالا یلزم ہے اور نیز عورتوں کی جمعیت جو کہ مبنیٰ مفاسد بے شمار کا ہے۔ ان تقریبات میں عورتیں چند موقعوں پر جمع ہوتی ہیں، چنانچہ کچھ مواقع مذکور ہو چکے ہیں اور کچھ باقی ہیں۔ آئندہ مذکور ہوں گے۔ اس اجتماع میں جو جو خرابیاں ہیں ان کا شمار نہیں ہے۔ تمثیلاً بعض کا بیان ہوتا ہے:

جب برادری میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ فلاں گھر، فلاں تقریب ہے۔ ہر ہر بی بی کو نئے جوڑا قیمتی کی فکر ہوتی ہے۔ کبھی خاوند سے فرمائش ہوتی ہے، کبھی خود بزاز کو دروازہ پر بلا کر اس سے ادھار لیا جاتا ہے یا سودی قرض لے کر اس سے خریدا جاتا ہے، شوہر کو اگر وسعت نہیں ہوتی تب بھی اس کا عذر قبول نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ یہ جوڑا محض ریاء و تفاخر کے لئے بنتا ہے۔ ایک گناہ تو یہ ہوا، پھر اس غرض سے مال خرچ کرنا اسراف ہے، یہ دوسرا گناہ ہوا۔ خاوند پر اس کی وسعت سے زیادہ بلا ضرورت فرمائش کرنا اس کو ایذا پہنچانا ہے، یہ تیسرا گناہ ہوا۔ بزاز کو بلا کر بلا ضرورت اس نامحرم سے باتیں کرنا، بلکہ اکثر تھان لینے دینے کے واسطے ہاتھ آدھا آدھا جس میں چھلے چوڑی، مہندی سب ہی کچھ ہوتا ہے باہر نکال دینا کس قدر غیرت اسلامی کے خلاف ہے، جو چوتھا گناہ ہوا۔ پھر اگر سودی لیا تو سود دینا پڑا، یہ پانچواں گناہ ہوا۔ اگر خاوند کی نیت ان بے جا فرمائشوں سے بگڑ گئی اور حرام آمدنی پر اس کی نظر پہنچی، کسی کا حق تلف کیا، رشوت لی اور فرمائشیں پوری کی گئیں اور اکثر یہی ہوتا ہے کہ حلال آمدنی سے یہ بے جا فرمائشیں پوری نہیں ہوتیں تو اس گناہ کا باعث یہ بی بی ہوئی اور اس گناہ کا سبب بننا بھی گناہ ہے، یہ چھٹا گناہ ہوا۔ اکثر ایسے جوڑے کے لئے گوٹہ، ٹھپہ، مصالحہ بھی لیا جاتا ہے اور بوجہ بے علمی یا بے پروائی کے اس کی بیع میں اکثر سود لازم آجاتا ہے۔ کیونکہ چاندی سونے کی خرید و فروخت کے مسائل بہت نازک ہیں۔ چنانچہ رسالہ صفائی معاملات میں اس کے مسائل بھی بیان کئے ہیں، بہر حال یہ ساتواں گناہ ہوا۔ پھر غضب یہ ہے کہ ایک

شادی کے لئے جو جوڑا بنا وہ دوسری شادی کے لئے کافی نہیں۔ اس کے لئے پھر دوسرا جوڑا چاہئے ورنہ عورتیں نام رکھیں گی یہ اور یہی گناہ دوبارہ بھی جمع ہوں گے۔ گناہ کا بار بار کرنا ایک قسم کا اصرار ہے جو خود مستقل گناہ ہے، یہ آٹھواں گناہ ہوا۔ یہ تو پوشاک کی تیاری تھی، اب زیور کی فکر ہوئی۔ اگر اپنے پاس نہیں ہوتا تو مانگا تانگا پہنا جاتا ہے۔ اور اس کی عاریت (۱) ہونے کو پوشیدہ کیا جاتا ہے۔ اور اس کو اپنی ہی ملکیت ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ ایک قسم کا کذب ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص بہ تکلف اپنی آسودگی ظاہر کرے، ایسی چیز سے جو اس کی نہیں ہے، اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے دو کپڑے جھوٹ اور فریب کے پہن لئے۔ یعنی سر سے پاؤں تک جھوٹ ہی جھوٹ لپیٹ لیا، یہ نواں گناہ ہوا۔ پھر اکثر زیور بھی ایسا پہنا جاتا ہے جس کی جھنکار دور تک جائے، تاکہ محفل میں جاتے ہی سب کی نگاہیں انہیں کے نظارہ میں مشغول ہو جائیں۔ بجتا زیور پہننا خود ممنوع ہے۔

حدیث میں ہے ہر باجے کے ساتھ ایک شیطان ہے، یہ دسواں گناہ ہے۔ اب سواری کا وقت آیا تو نوکر کو ڈولی لانے کا حکم ہوا یا صاحب تقریب کے یہاں سے ڈولی آئی تو بی بی کو غسل کی فکر پڑی، کچھ کھلی پانی کی تیاری بھی دیر ہوئی، کچھ نیت غسل کے باندھنے میں دیر ہوئی، غرض اس دیر دیر میں نماز جاتی رہی، تب بھی کچھ پرواہ نہیں اور کسی کام ضروری میں حرج ہو جائے تب بھی کچھ مضائقہ نہیں اور اکثر ان بھلے مانسوں کو غسل کے روز یہی مصیبت پیش آتی ہے۔ اگر نماز قضا ہوگئی تو گیارہواں گناہ ہوا۔ اب کہار دروازہ پر پکار رہے ہیں۔ بی بی اندر سے ان کو گالیاں اور کوسنے سنا رہی ہیں۔ بلاوجہ کسی غریب کو دورد بک کرنا یا گالی سنا دینا صریح ظلم ہے، یہ بارہواں گناہ ہوا۔ اب خدا خدا کر کے بی بی تیار ہوئیں، کہاروں کو ہٹا کر سوار ہوئیں، بعض عورتیں ایسی بے احتیاط ہوتی ہیں کہ ڈولی کے اندر سے پلہ لٹک رہا ہے کسی طرف سے پردہ ہی کھل رہا

(۱) مانگا ہوا

ہے یا عطر و پھلیل اس قدر ملا ہے کہ راستہ میں خوشبو مہکتی جاتی ہے، یا نامحرموں کے روبرو اظہار زینت ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ جو عورت گھر سے عطر لگا کر نکلے، یعنی اس طرح کہ دوسروں کو بھی خوشبو پہنچی تو وہ ایسی (۱) ویسی ہے۔ یہ تیرہواں گناہ ہوا۔ اب منزل مقصود پر پہنچیں، کہار ڈولی دروازے میں رکھ الگ ہوئے اور بے دھڑک اتر کر گھر میں داخل ہوئیں، یہ احتمال ہی نہیں کہ شاید گھر میں کوئی نامحرم مرد پہلے سے ہو اور بارہا اتفاق ایسا ہوتا ہے کہ ایسے موقع پر نامحرم کا سامنا ہو جاتا ہے مگر عورتوں کو تمیز ہی نہیں کہ اول گھر میں تحقیق کرلیا کریں۔ شبہ قوی کے موقع پر تحقیق نہ کرنا یہ چودھواں گناہ ہوا۔ اب گھر میں پہنچیں، حاضرین کو سلام کیا خوب ہوا، بعضوں نے تو زبان کو تکلیف ہی نہیں دی، فقط ماتھے پر ہاتھ رکھ دیا، بس سلام ہو گیا۔ جس کی ممانعت حدیث میں آئی ہے۔ بعضوں نے لفظ سلام بھی کہا تو صرف سلام۔ یہ بھی سنت کے خلاف ہے۔ السلام علیکم کہنا چاہئے۔ اب جواب ملاحظہ فرمائیے۔ جیتی رہو، ٹھنڈی رہو، سہاگن رہو، بھائی جئے، بچہ جئے، غرض کنبہ بھر کی فہرست شمار کرنا آسان اور وعلیکم السلام جو سب کو جامع ہے مشکل، یہ مخالف سنت کی ہمیشہ ہمیشہ کو کرنا پندرہواں گناہ ہوا۔ اب مجلس جمی تو شغل اعظم یہ ہوا کہ غیبتیں (۲) شروع ہوئیں جو حرام قطعی اور سخت ممنوع ہے۔ یہ سولھواں گناہ ہوا۔ باتوں کے درمیان میں ہر ہر بی بی اس کوشش میں ہے کہ میری پوشاک اور زیور پر سب کی نظر پڑ جانا چاہئے۔ ہاتھ سے، پاؤں سے، زبان سے اس کا اظہار ہوتا ہے، جو صریح ریاء ہے اور جس کا حرام ہونا سب کو معلوم ہے، یہ سترہواں گناہ ہوا۔ اور جس طرح ہر ہر بی بی دوسروں کو اپنا مایہ افتخار دکھاتی ہے اسی طرح دوسری کی مجموعی حالت دیکھنے کی بھی کوشش کرتی ہے۔ چنانچہ اگر کسی کو اپنے سے کم پایا تو اس کو حقیر اور ذلیل سمجھا اور اپنے کو بڑا، یہ صریح تکبر اور گناہ ہے، یہ اٹھارہواں گناہ ہوا۔ اور اگر دوسرے کو اپنے سے بڑھا ہوا پایا تو حسد اور ناشکری اور

(۱) وہ زانیہ کے حکم میں ہے (بخاری شریف)۔ (۲) غیبتیں۔

حرص اختیار کی، یہ تینوں گناہ ہے، یہ انیسواں اور بیسواں اور اکیسواں گناہ ہوا۔ اکثر اس طوفان اور بے ہودہ مشغولی میں نمازیں اڑ جاتی ہیں، ورنہ وقت تو تنگ ضرور ہو جاتا ہے۔ یہ بائیسواں گناہ ہوا۔ پھر اکثر ایک دوسرے کو دیکھ کر یا ایک دوسرے سے سن کر ان رسوم خرافات کی تعلیم بھی پاتی ہیں۔ اور اس تعلیم (۱) و تعلم (۲) کا سلسلہ بلا کسی نصاب و سبق کے اس ملاقات ہی کی بدولت قائم ہے۔ معاصی کی تعلیم و تعلم دونوں گناہ ہیں، یہ تیئیسواں گناہ ہوا۔

یہ بھی ایک دستور ہے کہ ایسے موقع پر جو سقہ پانی لاتا ہے، اس سے پردہ کرنے کے لئے بند مکان میں عورتیں نہیں جاتیں، بلکہ اس کا حکم ہوتا ہے کہ تو منہ پر نقاب ڈال کر چلا آ، اور کسی کو دیکھنا مت۔ اب اس کا ایمان جانے چاہے وزدیدہ نظر سے مجمع کو دیکھ لے تو کسی کو کچھ غیرت نہیں۔ ایسے منظر پر قصداً بیٹھنا کہ نامحرم دیکھ سکے حرام ہے، یہ چوبیسواں گناہ ہوا۔ اب کھانے کے وقت جس قدر طوفان مچتا ہے کہ ایک ایک بی بی چار چار طفیلیوں کو ہم رکاب لاتی ہیں اور ان کو خوب بھر بھر دیتی ہیں اور گھر والے کے مال یا آبرو جانے کی کچھ پرواہ نہیں کرتیں، یہ پچیسواں گناہ ہوا۔ اب بعد فراغت جب گھر جانے کو ہوتی ہیں کہاروں کی آواز سن کر وہ یاجوج ماجوج کی طرح وہ تموج ہوتا ہے کہ ایک پر دوسری اور دوسری پر تیسری، غرض سب دروازہ کو جا لپٹتی ہیں کہ پہلے میں سوار ہوں کہار بھی اکثر اوقات ہٹنے نہیں پاتے، اچھی طرح سامنا ہوتا ہے، یہ چھبیسواں گناہ ہوا۔ پھر کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے تو بلا دلیل کسی کو تہمت لگانا بلکہ بعض اوقات اس پر تشدد کرنا اکثر شادیوں میں پیش آتا ہے۔ یہ ستائیسواں گناہ ہوا۔ پھر اکثر تقریب والے گھر کے مرد بے احتیاطی اور جلدی میں بالکل دروازے میں گھر کے روبرو آ کھڑے ہوتے ہیں، اور بہتوں پر نگاہ پڑتی ہے، ان کو دیکھ کر کسی نے منہ پھیر لیا، کوئی کسی کی آڑ میں آ گئی، کسی نے فقط سر نیچا کر لیا، بس یہ پردہ ہو گیا۔ اچھی

(۱) تعلیم دینا ۱۲۔ (۲) تعلیم پانا۔

خاصی روبرو بیٹھی رہتی ہیں۔ یہ اٹھائیسواں گناہ ہوا۔ پھر دولہا کی زیارت، بارات کے تماشہ کو دیکھنا فرض اور تبرک سمجھتی ہیں۔ جس طرح عورت کو اپنا بدن وغیرہ مرد کو دکھلانا جائز نہیں، اسی طرح بلاضرورت غیر مرد کو دیکھنا بھی وجہ احتمال فتنہ کے ممنوع ہے، یہ انتیسواں گناہ ہوا۔ پھر واپسی دولت خانہ کے بعد کئی کئی روز تک آنے والی بیبیوں اور اہل تقریب کی کارروائیوں میں جو عیب نکالے جاتے ہیں اور کیڑے ڈالے جاتے ہیں، وہ تیسواں گناہ ہوا۔ اور اسی طرح کی اور بہت سی خرابیاں اور گناہ کی باتیں اس مجمع مستورات میں جمع ہیں جو عاقل دیندار کو مشاہدہ اور تامل سے بے تکلف معلوم ہو سکتی ہے۔

اس لئے میری رائے یہ ہے کہ ام الفساد (۱) یہ جمع ہونا ہے، اس کا انسداد سب سے زیادہ ضروری ہے۔

۹۔ حجام آرندہ جوڑے کو بروقت پہنچانے کے کچھ انعام دیتے ہیں اور پھر یہ جوڑا نائن لے کر ساری برادری میں گھر گھر دکھلانے جاتی ہے اور رات کو برادری کی عورتیں جمع ہو کر کھانا کھاتی ہیں۔ ظاہر ہے جوڑا دکھلانے کا منشاء بجز ریاء کے اور کچھ بھی نہیں اور عورتوں کے جمع ہونے کی برکات ابھی مذکور ہو چکی ہیں، غرض اس موقع پر بھی معاصی کا خوب اجتماع ہوتا ہے۔

۱۰۔ علی الصباح دولہا کو غسل دے کر شاہانہ جوڑا پہناتے ہیں اور پرانا جوڑا مع جوتے کے حجام کو دیا جاتا ہے اور چوٹی سہرے کا حق کمینوں کو دیا جاتا ہے۔ اکثر اس جوڑے میں خلاف شرع بھی لباس ہوتا ہے اور سہرا چونکہ کفار کی رسم ہے اس لئے اس حق کا نام چوٹی سہرے سے مقرر کرنا بے شک مذموم اور تائید رسم کفار کی ہے، یہ بھی خلاف شرع ہے۔

۱۱۔ اب نوشہ کو گھر میں بلا کر جوڑا پہنا کر کے دھیانیاں سہرا باندھ کر اپنا حق لیتی

(۱) تمام خرابیوں کی جڑ

ہیں اور کنبہ کی عورتیں کچھ نکلے نوشہ کے سر پر پھیر کر کمینان حاضرین کو دے دیتی ہیں۔ آ... کے گھر میں جانے کے وقت کوئی احتیاط نہیں رہتی۔ بڑی گہری پردہ والیاں آرائش زیبائش کیے ہوئے اس کے سامنے آ کھڑی ہوتی ہیں، اور یہ سمجھتی ہیں کہ یہ تو اس کی شرم کا وقت ہے یہ کسی کو نہ دیکھے گا۔ بھلا یہ غضب کی بات ہے۔ اول تو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ نہ دیکھے گا۔ مختلف طبائع کے لڑکے ہوتے ہیں جن میں اکثر تو آج کل شریر بھی ہیں۔ پھر اگر اس نے نہ بھی دیکھا تو کیوں اس کو دیکھ رہی ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ لعنت کرے اللہ تعالیٰ دیکھنے والے پر اور جس کو دیکھے۔ غرض اس موقع پر دولہا اور عورتیں سب گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں، پھر سہرا باندھنا، یہ دوسرا امر خلاف شرع ہوا، کیونکہ یہ رسم کفار کی ہے۔

حدیث میں ہے کہ جو تشبہ کرے کسی قوم کے ساتھ وہ انہیں میں سے ہے، پھر لڑ جھگڑ کر اپنا حق لینا اول تو ویسے بھی کسی پر جبر کرنا حرام ہے اور پھر خاص کر ایک معصیت کا ارتکاب کر کے اس پر کچھ لینا بالکل گندور گند ہے۔ نوشہ کے سر پر سے پیسوں کا اتارنا یہ بھی ایک ٹونکا ہے، جس کی نسبت حدیث میں ہے کہ ٹونکا شرک ہے۔ غرض یہ بھی سر تا سر خلاف شرع امور کا مجموعہ ہے۔

۱۴۔ اب برات روانہ ہو جاتی ہے۔ یہ برات بھی شادی کا رکن اعظم سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کے لیے بھی دولہا والے کبھی دولہن والے بڑے بڑے اصرار اور تکرار کرتے ہیں۔ غرض اس سے ناموری اور تفاخر ہے اور کچھ عجب نہیں کہ کسی وقت میں جب کہ راستوں میں امن نہ تھا اکثر راہزنوں اور قزاقوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ بہ مصلحت حفاظت دولہا دلہن و اسباب زیور وغیرہ کے برات لے جانے کی رسم ایجاد ہوئی اور اسی وجہ سے گھر پیچھے ایک آدمی برات میں ضرور جاتا تھا۔ مگر اکثر اس میں ایسا بھی کرتے ہیں کہ بلائے پچاس اور جا پہنچے سو (۱۰۰)۔ اول تو بے بلائے اس طرح کسی کے گھر جانا حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص دعوت میں بلا بلائے

جائے وہ گیا تو چور ہو کر، اور نکلا لٹیرا ہو کر۔ یعنی ایسا گناہ ہوتا ہے جیسے چوری اور لوٹ مار کا۔ پھر دوسرے شخص کی اس میں بے آبروئی بھی ہو جاتی ہے۔ کسی کو سوار کرنا یہ دوسرا گناہ ہوا۔ پھر ان امور کی وجہ سے اکثر جانبین میں ایسی ضدا ضدی اور بے لطفی ہوتی ہے کہ عمر بھر اس کا اثر قلوب میں باقی رہتا ہے۔ چونکہ نااتفاقی حرام ہے اس لئے اس کے اسباب بھی حرام ہوں گے۔ اس لئے یہ فضول رسوم ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ راہ میں جو گاڑی بانوں پر جہالت سوار ہوتی ہے اور گاڑیوں کو بے سدھ بلا ضرورت بھگانا شروع کرتے ہیں اس میں سینکڑوں خطرناک واردات ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے مہلک اور خطرہ میں پڑنا بلا ضرورت کسی طرح جائز نہیں اور کوئی شخص گھوڑ دوڑ کا شبہ نہ کرے کہ اگر اس میں قمار نہ ہو تو وہ اس وقت جائز ہے۔ حالانکہ اس میں بھی خطرہ ہے۔ جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ اول تو گھوڑ دوڑ میں جس قدر سوار ہیں سب ماہر ہیں۔ اس سے یہ احتمال کم ہے اور یہاں بہلیوں کے سوار سب اناڑی، یہاں احتمال ضرر کا غالب ہے۔ دوسرے وہاں ضرورت تعلیم و مشق فن کی ہے۔ یہاں بجز مفاخرت (۱) کے اور کیا ضرورت ہے۔

۱۳۔ دولہا اس شہر کے کسی مشہور متبرک مزار پر جا کر کچھ نقد چڑھا کر شامل برات ہو جاتا ہے۔ اس میں جو عقیدہ جاہلوں کا ہے وہ یقینی شرک تک پہنچا ہوا ہے۔ اگر کوئی فہیم (۲) اس بد عقیدے سے پاک ہو تب بھی اس رسم سے چونکہ ان فاسد الاعتقاد لوگوں کے فعل کی تائید و ترویج ہوتی ہے اس لئے سب کو بچنا چاہئے۔

۱۴۔ حجام آرندۂ مہندی کو بروقت پہنچاتے ہیں۔ مہندی کے وہ مقدار انعام دیتا ہے کہ جس مقدار انعام پر دولہا والا اس مقدار خرچ کا اندازہ کر لیتا ہے جو اس فرد کمینان میں دینا پڑتا ہے۔ یعنی فرد اس انعام سے آٹھ حصہ زیادہ ہوتی ہے۔ یہ بھی زبردستی کا ٹیکس ہے کہ پہلے سے نوٹس دیا جاتا ہے کہ ہم تم سے اتنا روپیہ دلوائیں گے۔

(۱) تکبر ۱۲۔ (۲) کوئی سمجھدار ۱۲

چونکہ اس طرح سے جبراً دلوانا حرام ہے۔ اس لئے اس کی تمہید اور اطلاع کے لئے ایک اصطلاح مقرر کرنا بھی اسی کے حکم میں ہے۔ کیونکہ معصیت کا عزم بھی معصیت ہے۔

۱۵۔ کچھ مہندی دلہن کے لگائی جاتی ہے اور باقی تقسیم ہو جاتی ہے۔ یہ دونوں امر بھی خواہ مخواہ التزام مالا یلزم ہیں۔ اس طرح کہ اس کے خلاف کو عیب سمجھتے ہیں۔ پس صریح تعدی حدود شرعیہ سے ہے۔

۱۶۔ برات آنے کے دن دلہن کے گھر عورتیں جمع ہوتی ہیں۔ اس مجمع کے ظلمات ونحوستیں اوپر عرض کر چکا ہوں۔

۱۷۔ اور ہر کام پر پروت (۱) تقسیم ہوتے ہیں۔ مثلاً نائی نے دیگ کے لئے چولھا کھود کر پروت مانگا تو اس کا ایک خوان میں اناج اور اس پر گڑ کی ایک بھیلی رکھ کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر ہر خفیف کام پر بھی جرمانہ ہوتا ہے۔ خدمت گزاروں کو دینا بہت اچھی بات ہے۔ مگر اس ڈھونگ کی کون سی ضرورت ہے۔ اس کا جو حق الخدمت سمجھا جائے اس کو ایک دفعہ دے دیا جائے۔ اس کی بنا بھی وہی تشہیر ہے۔ پس علاوہ اس کے اس کو اجرت خدمت تو کہہ نہیں سکتے کیونکہ اجرت کے لئے شرعاً تعین مقدار ضروری ہے، اور یہاں ہرگز ایسا تعین نہیں کہ پاؤ سیر کا بھی فرق نہ ہونے پائے۔ پس لابد انعام واحسان ہوگا، اس میں اس طرح زبردستی لینا حرام ہے اور جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے اور اگر اس کو اجرت کہا جائے تو بوجہ مجہول ہونے کے اجارۂ فاسد حرام ہے۔

۱۸۔ برات پہنچنے پر گاڑیوں کو گھاس دانہ اور مانگے کی گاڑیوں کو گھی اور گڑ بھی دیا جاتا ہے۔ اس موقع پر اکثر گاڑی بان ایسا طوفان برپا کرتے ہیں کہ گھر والا بے آبرو ہو جاتا ہے اور باعث اس کے وہی برات لانے والے ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ امر

(۱) انعام

مذموم کا سبب بننا بھی امر مذموم ہے۔

۱۹۔ برات ایک جگہ قیام کرتی ہے اور طرفین کی برادری کے سامنے بری کھولی جاتی ہے۔ اب وقت آیا ہے اس معصیت ریاء و افتخار کے ظہور کا جو اصل مقصود تھا اور اسی سبب سے یہ رسم ممنوع ہے۔

۲۰۔ جس میں بعض اشیاء تو بہت ضروری ہیں۔ شاہانہ جوڑا، انگوٹھی، پاؤں کا زیور، سہاگ پوڑا، عطر و تیل، مسی، سرمہ دانی، کنگھی، پان، کھیلیں، اور باقی غیر ضروری۔ جس قدر جوڑے بری میں ہوتے ہیں اتنی ہی مٹکیاں ہوتی ہیں۔ ان سب مہملات کا التزام مالایلزم ہونا ظاہر ہے جس کا خلاف شرع ہونا بارہا مرقوم ہو چکا ہے اور ریاء و نمود تو سب رسموں کی جان ہے اس کو تو کہنے کی حاجت ہی کیا۔

۲۱۔ اس بری کو لے جانے کے واسطے دلہن کی طرف سے کمین خوان لے کر آتے ہیں اور ایک ایک آدمی ایک ایک چیز سر پر لے جاتے ہیں۔ دیکھئے اس ریاء کا اور اچھی طرح ظہور ہوا، گو وہ ایک ہی آدمی کے لے جانے کا بوجھ ہو مگر لے جائے اس کو ایک قافلہ تاکہ سلسلہ دراز معلوم ہو، کھلا تکاثر و تفاخر ہے۔

۲۲۔ تمام مرد کنبہ کے بری کے ساتھ جاتے ہیں اور بری زنانہ مکان میں پہنچا دی جاتی ہے۔ اس موقع پر اکثر بے احتیاطی ہوتی ہے کہ مرد بھی گھر میں چلے جاتے ہیں اور مستورات کا بالکل بے حجابانہ سامنا ہوتا ہے۔ نہیں معلوم کہ اس روز تمام گناہ اور بے غیرتی کی باتیں کس طرح حلال اور عین تہذیب ہو جاتی ہیں۔

۲۳۔ اس بری میں شاہانہ جوڑا اور بعض چیزیں رکھ کر باقی چیزیں واپس ہو جاتی ہیں۔ جس کو دولہا والا بجنسہ صندوق میں رکھ لیتا ہے، جب واپس لینا تھا تو خواہ مخواہ بھیجنے کی کیوں تکلیف کی، بس وہی نمود و شہرت جب واپس آنا یقینی ہے تب تو عقلاء کے نزدیک کوئی شان کی بات بھی نہیں۔ ممکن ہے کہ کسی کی مانگ لایا ہو۔ پھر گھر واپس آ کر دے دے گا اور اکثر ایسا واقعہ بھی ہوتا ہے۔ تمام لغویات شرع کے بھی خلاف

اور عقل کے بھی خلاف، پھر لوگ ان پر خوش ہیں۔

۲۴۔ بری کے خوان میں دلہن والوں کی طرف سے ایک یا سوا روپیہ ڈالا جاتا ہے۔ جس کو بری کی چنگیر کہتے ہیں اور وہ دولہا کے نائی کا حق ہوتا ہے۔ اس کے بعد ڈومنی ایک ڈوری لے کر دولہا کے پاس جاتی ہے اور خفیف انعام دو آنے یا چار آنے دیا جاتا ہے، اس میں بھی وہی التزام مالا یلزم اور جبر فی التبرع سرتاسر ہے اور معلوم نہیں کہ ڈومنی صاحبہ کا کیا استحقاق ہے اور یہ ڈوری کیا واہیات ہے۔

۲۵۔ برات والے نکاح کے واسطے بلائے جاتے ہیں۔ خیر غنیمت ہے۔ خطا معاف ہوئی۔ ان خرافات میں اکثر اس قدر دیر لگتی ہے کہ اکثر تمام شب اسی کی نذر ہو جاتی ہے۔ پھر بدخوابی سے کوئی بیمار ہو گیا، کسی کو سوءِ ہضم ہو گیا، کوئی غلبہ خواب سے ایسا سویا کہ صبح کی نماز ندارد ہو گئی۔ ایک رونا ہو تو رویا جائے، یہاں تو سر سے پاؤں تک رونا ہی رونا بھرا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

۲۶۔ سب سے پہلے سقہ پانی لے کر آتا ہے۔ اس کو سوا روپیہ بیر گھڑی کے نام سے دیا جاتا ہے، گو دل نہ چاہے مگر زکوٰۃ سے بڑھ کر فرض ہے کہ ضرور دو۔ غضب ہے کہ اول تو تبرعات میں جبر محض حرام ہے اور جبر کے کیا یہی معنی ہیں کہ لاٹھی ڈنڈا مار کر کسی سے کچھ لے لیا جائے بلکہ یہ بھی جبر ہے کہ اگر نہ دیں گے تو بدنام ہوں گے۔ پھر لینے والے خود مانگ کر جھگڑ جھگڑ کر لیتے ہیں۔ پھر یہ بیر گھڑی تو ہندوانہ رسم ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کفار سے یہ رسم سیکھی ہے، یہ رسم دوسری ظلمت ہوئی۔

۲۷۔ اس کے بعد ڈوم شربت گھولنے کے واسطے آتا ہے۔ جس کو سوا روپیہ دیا جاتا ہے اور شکر شربت کی دلہن والوں کے یہاں سے آتی ہے۔ یہاں بھی وہی جبر تبرعات موجود ہے۔ پھر یہ ڈوم صاحب کس مصرف کے ہیں۔ بے شک شربت گھولنے کے لئے بہت ہی موزوں ہیں، کیونکہ آلات نشاط بجاتے بجاتے ہاتھ میں مادہ سرور کا پیدا ہو گیا ہوگا، تو شربت مل جانے سے پینے والوں کو سرور زیادہ ہوگا۔

۲۸۔ قاضی صاحب کو بلا کر نکاح پڑھواتے ہیں۔ پس یہ ایک امر ہے جو تمام غیر مشروعات میں ایک مشروع ہے۔ مگر اس میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ اکثر جگہ قاضی صاحبان مسائل نکاح و متعلقات اس کے سے محض ناواقف ہوتے ہیں کہ بعض موقع پر یقیناً نکاح بھی درست نہیں ہوتا۔ تمام عمر بدکاری ہوا کرتی ہے اور بعض ایسے طماع کو روپیہ سوا روپیہ کے لالچ میں آ کر جس طرح سے فرمائش کی جائے کر گزرتے ہیں۔ خواہ نکاح ہو یا نہ ہو۔ اس میں بہت اہتمام چاہئے کہ نکاح پڑھنے والا خود عالم ہو یا کسی عالم سے خوب تحقیق سے نکاح پڑھوائے۔

۲۹۔ اور ان کو کچھ دے کر رخصت کرتے ہیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ یہ لوگ اس کو اپنا حق واجب الادا سمجھتے ہیں اور حتیٰ اگر کوئی نہ دے یا معین مقدار سے کم دے تو اس سے تکرار کرتے ہیں، تقاضا کرتے ہیں، بڑی تہذیب کا مظاہرہ فرمایا تو یہ زبان سے نہ بولیں گے، مگر دل میں ضرور ناخوش ہوتے ہیں۔ تو ایسی کی نسبت رفاہ المسلمین شرح مسائل اربعین میں خزانۃ الروایات سے حرام ہونا نقل کیا ہے اور اس سے بڑھ کر ایک رواج یہ ہو رہا ہے کہ اکثر جگہ قاضی لوگ اپنا نائب بھیج دیتے ہیں، اور ان کو جو کچھ ملتا ہے اس میں زیادہ حصہ قاضی کا اور تھوڑا سا اس نائب کا ہوتا ہے۔ یہ استحقاق قاضی صاحب کا محض بلا دلیل ہے اور اس پر کد اور مطالبہ کرنا بالکل ناجائز ہے۔ یہ امر قابل یاد رکھنے اور لحاظ کرنے کے ہے کہ البتہ خوشی سے اگر صاحب تقریب کچھ دے دے تو لینا جائز ہے، اور جس کو دیا ہے اس کی ملک ہے۔ مثلاً اگر نائب کو خوشی دے دیا تو تمام تر اس کی ملک ہے۔ منیب صاحب اس سے اس وجہ سے لیتے ہیں کہ ہم نے تم کو مقرر کیا ہے سو اس وجہ سے لینا رشوت اور حرام ہے اور راشی (۱) و مرتشی یعنی نائب اور منیب دونوں عاصی (۲) ہوتے ہیں۔

۳۰۔ اس کے بعد اگر دولہا والے چھوہارے لے گئے ہوں تو وہ لٹا دیتے ہیں یا

(۱) رشوت لینا اور دینا۔ (۲) گناہ گار

تقسیم کردیتے ہیں۔ ورنہ وہی شربت خواہ گرمی ہو یا سردی علاوہ التزام مالا یلزم کے جو کہ شربت میں ہے، کسی کو بیمار ڈالنے کا سامان کرنا جیسا کہ بعض فصلوں میں شربت پینے سے واقع ہوتا ہے، کہاں جائز ہے۔

۳۱۔ اب دلہن کی طرف کا نائی ہاتھ دھلاتا ہے، اس کو سوا روپیہ ہاتھ دھلائی دیا جاتا ہے۔ یہ انعام فی نفسہ ایک تبرع واحسان ہے مگر اس کو دینے والے حق واجب اور نیگ سمجھتے ہیں۔ اس طرح سے دینا لینا حرام ہے۔ کیونکہ تبرع میں جبر حرام ہے۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے اور حق الخدمت کہا جائے تو دلہن والوں کا خادم ہے۔ اس کے ذمہ ہونا چاہئے۔ دولہا والوں سے کیا واسطہ، یہ تو مہمان ہیں۔ علاوہ خلاف شرع ہونے کے خلاف تہذیب بھی کس قدر ہے کہ مہمانوں سے فیس اور اجرت نوکروں کی وصول کی جائے۔

۳۲۔ اور دولہا کے لئے گھر میں سے شکرانہ بن کر آتا ہے، خو خالی رکابیوں میں سب براتیوں کو تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس میں التزام مالا یلزم کے عقیدہ کا بھی فساد ہے، یعنی اگر یہ شکرانہ بنایا نہ جائے تو باعث نامبارکی سمجھتے ہیں بلکہ اکثر رسوم میں یہی عقیدہ ہے۔ یہ خود شعبہ شرک کا ہے۔

حدیث میں ہے کہ تبرع یعنی بدشگونی اور نامبارکی کی کچھ اصل نہیں۔ شریعت جس کو بے اصل بتلائے اور لوگ اس پر پل بنا کر کھڑا کریں اب آپ ہی بتلائیے کہ یہ شریعت کا مقابلہ ہے کہ نہیں۔

۳۳۔ اس کے بعد سب براتی کھا کر چلے جاتے ہیں۔ لڑکی والے کے گھر سے نوشہ کے لئے پلنگ سجا کر بھیجا جاتا ہے اور کیسے اچھے وقت بھیجا جاتا ہے جب تمام شب زمین پر پڑے پڑے ہڈیاں چور ہو چکیں، اب مرہم آیا واقعی حقدار تو ابھی ہوا ہے اس سے پہلے تو اجنبی شخص تھا۔ بھلے مانسوا گر داماد نہ تھا تو بے چارہ بلایا ہوا مہمان تو تھا۔ آخر مہمان کی مدارات کا بھی حکم شرع میں اور عقل میں ہے یا نہیں اور دوسرے براتی

اب بھی فضول ہی رہے۔ ان کی اب بھی کسی نے بات نہیں پوچھی، صاحبو! وہ بھی تو مہمان ہیں۔

۳۴۔ حجام آرندۂ پلنگ کو سوا روپیہ دیا جاتا ہے، پس معلوم ہوا کہ یہ چارپائی اس علت کے لئے آئی تھی۔ استغفراللہ اس میں بھی وہی جبرنی التبرع ظاہر ہے۔

۳۵۔ پچھلی شب کو ایک خوان میں شکرانہ بھیجا جاتا ہے۔ جس کو برات کے سب لڑکے مل کر کھاتے ہیں، چاہے ان کم بختی ماروں کو تداخل ہی ہو جائے، مگر شادی والوں کو اپنی رسمیں پوری کرنے سے کام! پہلے جہاں شکرانہ بنانے کا ذکر آیا ہے وہاں بدلیل بیان ہو چکا ہے کہ یہ بھی خلاف شرع ہے۔

۳۶۔ حجام آرندۂ (۱) خوان کو سوا روپیہ دیا جاتا ہے، کیوں نہ دیا جائے اس حجام صاحب کے بزرگوں نے اس بے چارے براتی کے باپ دادا کو قرض روپیہ دیا تھا۔ یہ بے چارہ اس کو ادا کر رہا ہے ورنہ اس کے باپ دادا جنت میں جانے سے اٹکے رہیں گے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

۳۷۔ صبح کو برات کے بھنگی دلہن والوں کے گھر دف بجاتے ہیں۔ یہ دف برات کے ساتھ آئی تھی اور دف فی نفسہ جائز تھی مگر شریعت نے اس میں یہ مصلحت رکھی ہے کہ اس سے اعلان نکاح کا ہو جائے جو مطلوب ہے لیکن اب یقینی بات ہے کہ اظہار شان وشوکت وتفاخر کے لئے بجایا جاتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو مباح ذریعہ معصیت بن جائے، وہ بھی معصیت ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ دف بھی موقوف کرنے کے قابل ہے۔ اعلان کے ہزاروں طریقے ہیں اور اب تو ہر کام مجمع میں ہوتا ہے۔ پہلے سے ذکر مذکور ہوا کرتا ہے، بعد میں مدتوں تذکرہ رہتا ہے۔ بس یہ اعلان کافی ہے اور اگر دف کے ساتھ شہنائی بھی ہو تو کسی حال میں جائز نہیں، عربی میں اس کو تبرع کہتے ہیں، حدیث میں اس کا مذموم ومکروہ ہونا آیا ہے۔

---

(۱) لانے والا۔

۳۸۔ اور دلہن والوں کی طرف کا بھنگی برات کے گھوڑوں کی لید اٹھاتا ہے، اور دونوں طرف کے بھنگیوں کو برابر نیگ لید اٹھائی اور صفائی کا ملتا ہے۔ بھلا اس کھیڑہ بدلائی سے کیا فائدہ، دونوں کو جب برابر ملتا ہے تو اپنے اپنے کمینوں کو دے دیا ہوتا، خواہ مخواہ دوسرے سے دلا کر تبرعات میں جبر لازم کرا دیا۔ جس کا حرام ہونا اوپر گزر چکا۔

۳۹۔ دلہن والوں کی ڈومنی دولہا کو پان کھلانے کے واسطے آتی ہے اور اپنا پروت موافق دستور کے لے کر جاتی ہے، اور اس کو کچھ انعام ملتا ہے۔ بے چارے کو آج ہی لوٹ لو، کچھ بچا کر لے جانے نہ پائے بلکہ اور قرض کر جائے۔ اسی جبری التبرع کو یاد کرلو۔

۴۰۔ اس کے بعد نائن دلہن کا سر گوندھ کر کنگھی کو ایک کٹورہ میں ڈال کر لے جاتی ہے اور اس کو سر بندھائی اور پوڑے پیائی کے نام سے کچھ دیا جاتا ہے۔ کیوں نہ دیا جائے، یہ بے چارے سب کا مقروض بھی ہے یہاں بھی اسی جبر کو یاد کرلو۔

۴۱۔ اس کے بعد فرد (۱) انعام کمینان دلہن والوں کی طرف سے تیار ہو کر دولہا والوں کو دی جاتی ہے۔ وہ خواہ اس کو تقسیم کردے یا یکمشت روپیہ دلہن والوں کو دے۔ اس میں بھی وہی تبرع میں جبر لازم آتا ہے۔ جس کا حرام ہونا کئی بار مذکور ہو چکا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب یہ لوگ ایسے ہی موقع کی توقع سے عمر بھر خدمت کرتے رہیں۔ جواب یہ ہے کہ جس کی خدمت کی ہے اس سے حق الخدمت لینا چاہئے۔ یہ کیا لغو حرکت ہے کہ خدمت کریں زید کی اور حق الخدمت ادا کرے عمرو۔

۴۲۔ نوشہ گھر میں بلایا جاتا ہے، اس وقت پوری بے پردگی ہوتی ہے اور بعض باتیں بے حیائی کی اس سے پوچھی جاتی ہیں، جس کا گناہ اور بے غیرتی ہونا محتاج بیان نہیں۔

(۱) فہرست انعام ۱۲۔

۴۳۔ اگر بہت غیرت کو کام فرمایا گیا تو اس کا رومال گھر میں منگایا جاتا ہے، اور اس وقت سلامی کا روپیہ جمع کر کے جو بطور نوتہ کے ہوتا ہے دولہا کو دیئے جاتے ہیں اور شادیوں میں کئی موقعوں پر نوتہ جمع ہوتا ہے۔ جس کی اصل یہ معلوم ہوتی ہے کہ پہلے زمانہ میں کسی غریب آدمی کو کوئی تقریب پیش آئی، اس کے عزیزوں نے بطور امداد کے کچھ جمع کر کے دے دیا، چونکہ اس وقت ان امور میں اس قدر طول نہ تھا تھوڑے سے سرمائے میں سب ضروری کام انجام پا گئے نہ اس کو بار ہوا کہ مفت رقم ہاتھ آ گئی، نہ دینے والے پر گراں ہوا۔ کسی کا زیادہ حرج نہیں ہوا۔ اگر بطور تبرع و احسان کے دیئے ہوں گے تو اس کا عوض نہ چاہتے ہوں گے، گو دوسرا شخص باقاعدہ هل (۱) جزاء الاحسان الا الاحسان کے اس کی ضرورت کے وقت اس کی اعانت کر دیتا ہو۔ بشرط گنجائش و بلا لحاظ کمی و بیشی کے اور اگر بطور قرض کے دیتا ہوگا تو اس کو یہ قرض بتدریج ادا کرنا آسان ہوتا تھا۔ واقعی اس وقت یہ مصلحت نہایت مفید تھی، اور اب تو اس میں کوئی بھی مصلحت نہیں رہی، جس قدر صرف ہوتا ہے اس کا کوئی جز معتدبہ نوتہ میں جمع نہیں ہوتا۔ پھر ناحق مقروض بننے سے کیا نفع۔ پھر اکثر اس پر تکرار اور رنج بھی ہوتا ہے۔ غرض بے ضرورت مقروض ہونا بھی منع ہے۔ رنج و تکرار بھی منع ہے۔ پھر گنجائش کے وقت ادا نہیں کر سکتے۔ جب دوسرے شخص کے یہاں کوئی تقریب ہو تب ہی ادا کرنا ممکن ہے۔ اگر اس وقت پاس نہ ہو تو بعض اوقات سودی قرض لے کر دینا پڑتا ہے۔ یہ بھی گناہ ہی ہے۔ جس دستور میں اتنے گناہ ہوں بے شک وہ واجب الترک ہے۔

۴۴۔ اس میں دوشی اور نان کا نیگ بقدر آٹھ آنہ نکالا جاتا ہے۔ اللہ میاں کی زکوٰۃ کا چالیسواں حصہ اتنا فرض نہیں سمجھتے، کھیت کا دسواں حصہ واجب نہیں جانتے مگر ان کا حصہ نکالنا سب فرائض سے بڑھ کر فرض ہے۔ یہ التزام مالا یلزم کس قدر لغو امر

(۱) احسان کا بدلہ احسان ہی ہے ۱۲

ہے۔ پھر یہ کہنا کہ ان تو خدمتی بھی ہے یہ بھلا بیاہ شادی کس مصرف کی رہ گیا ہے جو ہر جگہ اس کا ساجھا اور حق رکھا ہوا ہے۔ بقول شخصے بیاہ میں نیچ کا لکھا شاید گانے بجانے کا حق الخدمت سمجھا جاتا ہے تو اس خدمت کی کیفیت سن لینا چاہیے۔

اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ شادی میں گیت درست ہے۔ پھر کیوں ڈومنیاں گواتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ درست کس طرح تھا اور اب رواج کس طرح پر ہے۔ اس کی تو مثال ایسی ہے کہ کوئی کسی کی روٹی غصب کر کے لاوے اور مفتی سے پوچھے کہ روٹی حرام ہے یا حلال۔ اور اس سے حلال سن کر خوب غصب کیا کرے۔ ظاہر ہے کہ ایسے فتویٰ سے کام نہیں چل سکتا۔ اس کو یہ پوچھنا چاہیے تھا کہ میرے پاس غصب کی روٹی ہے وہ حلال ہے یا حرام۔ پھر دیکھو اس کو کیا جواب ملتا ہے۔ غرض یہ کہ گیت ڈومنیوں کا جس طرح رائج ہے اس کو دیکھنا چاہیے کہ اس میں کچھ خرابی ہے یا نہیں۔ تو اب میں پوچھتا ہوں کہ ڈومنیاں لے اور گت سے گاتی ہیں یا نہیں۔ بے شک گت سے گاتی ہیں۔ تو ذرا کسی عالم سے پوچھو تو سہی کہ یہ گانا امام ابو حنیفہؒ کے مذہب میں حرام ہے یا نہیں۔ اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ عید کے روز پیغمبر ﷺ کے روبرو بھی دو لڑکیوں نے گایا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو وہ نابالغ لڑکیاں تھیں۔ دوسرے وہ اتار چڑھاؤ سے نہ گاتی تھیں۔ چنانچہ حدیث میں لفظ جاریتین مغنیتین اس معنی کی دلیل ہے اور یہ بتلاؤ کہ ان کی آواز اجنبی مردوں کے کانوں میں پہنچتی ہے یا نہیں اور محرم عورتوں کی آواز کی غیر مرد کے کانوں میں جانا اور اس طرح سے کہ سننے سے خرابی پیدا ہو، حرام ہے یا نہیں۔ پھر اس راگ میں یہ بھی خاصیت ہے کہ جو صفات قلب میں غالب ہوتے ہیں ان کو اور زور ہو جاتا ہے۔ تو بتلاؤ کہ عام لوگوں کے قلب میں صفات خبیثہ کا غلبہ ہے یا نہیں اور صفات خبیثہ کو قوت دینا حرام ہے یا نہیں۔ پھر یہ کہ آدھی آدھی بلکہ تمام رات دائرہ اور کہیں کہیں ڈھولک بھی بجتی ہے۔ جس سے پاس والوں کو عموماً اور حاضرین مجلس کی خصوصاً نیند ضائع ہوتی ہے۔ اور صبح ہوتے تک سب مردہ کی طرح پڑ

پڑ کر سوتے ہیں۔ پس صبح کی نمازیں ان کی قضا ہوتی ہیں یا نہیں۔ اور نماز کا قضا کرنا اور جس شغل کی وجہ سے نماز قضا ہو وہ شغل حرام ہے یا نہیں اور کہیں کہیں مضامین گیت کے خلاف شرع بھی ہوتے ہیں پس ان کے گانے اور سننے سے سب کو گناہ ہوتا ہے یا نہیں۔

اب بتلاؤ کیا اس طرح کا گیت گانا اور گوانا حرام ہے یا نہیں۔ پھر جب وہ حرام ہوا تو اس کی اجرت دینا دلانا کس طرح جائز ہوگا اور اجرت بھی کس طرح کہ گھر والا تو اس لئے دیتا ہے کہ اس نے بلایا، اس کے یہاں تقریب ہے بھلا اور آنے والوں کی کمبختی ہے کہ ان سے بھی جبراً وصول کیا جاتا ہے اور جو نہ دے اس کی تذلیل(۱) و تحقیر(۲) اور طعن و تشنیع(۳) کی جاتی ہے۔ وہی جبر تبرعات کا قصہ یاد کر لیا جائے۔ پس ایسے گانے کو اور ایسے حق کو کیونکر حرام نہ کہا جائے۔

۴۵۔ بعد فراغت کھانے کے جہیز کی تمام چیزیں مجمع عام میں لائی جاتی ہیں اور ایک ایک چیز سب کو دکھلائی جاتی ہے اور زیور کی فہرست سب کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ فرمائیے کہ یہ ریا ہے یا نہیں۔ علاوہ اس کے زنانے کپڑوں کا مردوں کو دکھلانا کس قدر غیرت کے خلاف ہے۔

۴۶۔ اور سوا روپیہ نیگ کمینوں کا جہیز کے خوان میں ڈالا جاتا ہے۔ وہی جبری اخراج کا مضمون یاد دلایا جاتا ہے۔

۴۷۔ اب لڑکی کے رخصت ہونے کا وقت آیا، میانا یا پالکی دروازہ میں رکھ کر دلہن کے باپ یا بھائی وغیرہ اس کے سر پہ ہاتھ دھرنے کو گھر میں بلائے جاتے ہیں اور اس وقت بھی اکثر مردوں عورتوں کا آمنا سامنا ہو جاتا ہے جس کا مذموم ہونا ظاہر ہے۔

۴۸۔ اور لڑکی کو رخصت کر کے ڈولی میں بٹھاتے ہیں اور مقتضائے عقل کے

---

(۱) دوسرے کو ذلیل کرنا۔ (۲) حقیر کرنا۔ (۳) عیب گیری کرنا

خلاف سب میں رونا پیٹنا مچتا ہے۔ ممکن ہے کہ بعض کو مفارقت کا قلق ہو مگر اکثر تو رسم ہی پورا کرنے کو روتی ہیں کہ کوئی یوں نہ کہے گا کہ ان لوگوں پر لڑکی بھاری تھی۔ اس کو دفع کرکے خوش ہوئے۔ اور یہ جھوٹا رونا حق کا فریب ہے جو کہ عقلاً و نقلاً گناہ ہے۔

۴۹۔ اور دلہن کے دوپٹہ کے ایک پلہ میں کچھ نقد اور دوسرے میں ہلدی کی گرہ اور تیسرے میں جا نفل چوتھے میں چاول اور گھاس کی پتی باندھتے ہیں۔ یہ ایک شگون اور ٹوٹکا ہے جو علاوہ خلاف عقل ہونے کے شعبہ شرک کا ہے۔

۵۰۔ اور ڈولے میں مٹھائی کی چنگیر رکھ دیتے ہیں جس کا مصرف آگے آتا ہے۔ اس سے اس کا بے ہودہ اور ممنوع ہونا معلوم ہو جائے گا۔

۵۱۔ اول ڈولہ دلہن کی طرف کے کہار اٹھاتے ہیں اور دولہا والے اس پر سے بکھیر شروع کرتے ہیں۔ اگر اس میں کوئی اثر شگون بھی سمجھتے ہیں کہ اس کے سر پر سے آفات اتر گئیں تب تو فساد اعتقاد بھی ہے۔ ورنہ نام و نمود و شہرت کی نیت ہونا ظاہر ہے۔ غرض ہر حال میں مذموم ہے۔ پھر لینے والے اس بکھیر کے بھنگی ہوتے ہیں جس سے تاویل صدقہ کی بھی نہیں چل سکتی ورنہ غریبوں محتاجوں کو دیتے۔ کیا بھنگی سب سے زیادہ دنیا میں فضول ہیں۔ ان کو بلاؤں کا لینے والا سمجھ لیا ہے۔ اس لئے اس کا مصرف قرار دیا۔ پس یہ ایک طرح کا اسراف بھی ہے کہ مستحقین کو چھوڑ کر غیر مستحقین کو دیا۔ پھر اس میں بعض کے چوٹ بھی لگ جاتی ہے۔ کسی کے لوٹ بکھیر کی وجہ سے اور کسی کو خود روپیہ پیسہ لگ جاتا ہے یہ خرابی مزید برآں ہے۔

۵۲۔ اس بکھیر میں سے ایک مٹھی ان کہاروں کو دی جاتی ہے بابت بکھیر کے اور یہ سب کمینوں کا حق ہوتا ہے وہی جبری التزام کا ناجائز ہونا یاد کر لیا جائے۔

۵۳۔ جب بکھیر کرتے ہوئے شہر کے باہر پہنچتے ہیں تو یہ کہار ڈولہ کسی باغ میں رکھ کر اپنا نیگ سوا روپیہ لے کر چلے جاتے ہیں وہی جبر تمام یہاں لگی ہے۔

۵۴۔ اور دلہن کے عزیز و اقارب جو اس وقت تک ڈولہ کے ساتھ ہوتے

ہیں۔ رخصت کر کے چلے جاتے ہیں اور وہاں پردہ چنگیری مٹھائی کی نکال کر براتیوں میں بھاگ دوڑ چھینا جھپٹی شروع ہوتی ہے۔ اس میں علاوہ التزام مالا یلزم کے اکثر یہ بے احتیاطی ہوتی ہے کہ اجنبی مرد ڈولے میں اندھادھند ہاتھ ڈال کر وہ چنگیری لے لیتے ہیں۔ اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ پردہ کھل جائے گا، نائن یا دلہن کو ہاتھ لگ جائے گا، اور بعض غیرت مند اعزہ دلہن یا دولہا کے اس پر جوش کھا کر سخت وست کہتے ہیں۔ بعض وقت جھگڑے میں بڑی دور نوبت پہنچتی ہے مگر اس منحوس رسم کو کوئی نہیں چھوڑتا۔ تمام تھکا دینی منظور، مگر اس کا قضا کرنا منظور۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۵۵۔ راستے میں جو اول ندی ملتی ہے تو کہار لوگ اس ندی پر پہنچ کر ڈولہ رکھ دیتے ہیں کہ ہمارا حق دو تب ہم پار جائیں اور یہ حق کم از کم ایک روپیہ ہوتا ہے جس کو دریا اتروائی کہتے ہیں۔ یہ وہی جبر فی التبرعات ہے۔

۵۶۔ جب مکان پر ڈولہ پہنچتا ہے تو کہار ڈولہ نہیں رکھتے جب تک ان کو ایک روپیہ چار آنے ڈولہ ٹکوائی نہ دیا جائے، اگر یہ انعام ہے تو انعام میں جبر کیسا اور اگر اجرت ہے تو اجرت کی طرح ہونا چاہئے کہ جب کسی کے پاس ہوا دے دیا۔ اس وقت معین کر کے مجبور کرنا بجز اتباع رسم اور کچھ بھی نہیں جس کو التزام مالا یلزم کہنا چاہئے۔

۵۷۔ جب کہار ڈولہ رکھ کر چلے جاتے ہیں تو دھیانیاں بہو کو ڈولہ میں سے نہیں اتارنے دیتیں، جب تک ان کو حق نہ دیا جائے گا ہم دلہن کو گھر میں نہ گھسنے دیں گے۔ یہ بھی جبر فی التبرع ہے۔

۵۸۔ اس کے بعد نوشہ کو دروازہ میں بلا کر ڈولہ کے پاس کھڑا کیا جاوے۔ اس کی بھی سخت پابندی ہے اور یہ ایک قسم کا شگون ہے جس کی بنا فساد اعتقاد ہے اور اکثر اسوقت پردہ دار عورتیں بھی بے تمیزی سے سامنے آ کھڑی ہوتی ہیں۔

۵۹۔ عورتیں صندل اور مہندی پیس کر لے جاتی ہیں اور دلہن کے داہنے پاؤں اور کوکھ پر ایک ایک ٹکیہ لگاتی ہیں، یہ صریح ٹوٹکہ ہے جو شعبہ شرک ہے۔

۶۰۔ تیل اور ماش صدقہ کر کے بھنگن کو دیا جاتا ہے اور میانہ (۱) کے چاروں پاؤں پر تیل چھڑکا جاتا ہے۔ دیکھئے وہی فساد عقیدہ کا روگ اس لغو حرکت کا منشاء ہے۔

۶۱۔ اور اس وقت ایک بکرا گڈریئے سے منگا کر نوشہ اور دلہن کے اوپر سے صدقہ کر کے اس گڈریئے کو مع کچھ نیگ کے جس کی مقدار دو آنہ چار آنہ ہوتے ہیں دے دیا جاتا ہے۔ دیکھئے یہ کیا حرکت ہے، اگر بکرا خریدا ہے تو اس کی قیمت کہاں ہے؟ اگر دو آنہ یا چار آنہ قیمت ہے تو بھلا ویسے تو اتنے کو خرید لو اور اگر خریدا نہیں تو گڈریہ کی ملک ہے غیر کے مال میں صدقہ کیا معنی۔ وہی بات ہے کہ حلوائی کی دوکان پر نانا جی کی فاتحہ۔ پھر صدقہ کا مصرف گڈریہ بہت موزوں ہے۔ غرض سرتاپا لغو حرکت ہے اور بالکل اصول شریعت کے خلاف ہے۔

۶۲۔ اس کے بعد بہو کو اتار کر گھر میں لاتے ہیں اور ایک بوریہ پر قبلہ رخ بٹھاتے ہیں اور سات سہاگنیں مل کر تھوڑی کھیر بہو کے داہنے ہاتھ پر رکھتی ہیں اور اس کھیر کو ان میں سے ایک سہاگن منہ سے چاٹ لیتی ہے۔ یہ رسم تمام تر شگونوں اور فالوں سے مرکب ہے جس کا مبنیٰ فساد عقیدہ ہے اور قبلہ رخ ہونا بہت برکت کی بات ہے مگر جب اس کی پابندی فرائض سے بڑھ کر ہونے لگے اور اس کے ترک کو موجب بدشگونی سمجھیں تو یہ تعدی حدود میں داخل ہو جائے گا۔

۶۳۔ یہ کھیر دو طباقوں میں اتاری جاتی ہے۔ ایک ان میں سے ڈومنی کو (شاباس ری ڈومنی تیرا تو سب جگہ ظہورا ہے) اور ایک نائن کو مع کچھ انعام کے جس کی مقدار کم سے کم پانچ ٹکے ہیں دیئے جاتے ہیں۔ یہ سب بناء فاسد علی الفاسد ہے۔

۶۴۔ اس کے بعد ایک یا دو من کی کھیر برادری میں تقسیم کی جاتی ہے جس میں بجز ریاء کے اور کچھ بھی نیت نہیں۔

۶۵۔ اس کے بعد بہو کا منہ کھولا جاتا ہے اور سب سے پہلے ساس یا سب سے

(۱) چھپر کھٹ یا پلنگ ۱۲

بڑی عورت خاندان کی، بہو کا منہ دیکھتی ہے اور کچھ منہ دکھلائی دیتی ہے جو ساتھ والی کے پاس جمع ہوتا ہے۔ اس کی ایسی سخت پابندی ہے کہ جس کے پاس منہ دکھلائی نہ ہو وہ ہرگز ہرگز منہ نہیں دیکھ سکتی۔ کیونکہ لعنت وملامت کا اتنا بھاری بوجھ اس پر رکھا جائے گا جس کو وہ کسی طرح اٹھا ہی نہ سکے۔ غرض اس کو واجبات سے قرار دیا ہے جو صریح تعدی حدود شرعیہ ہے، پھر اس کی کوئی وجہ معقول سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کے ذمہ منہ پر ہاتھ رکھنا بلکہ تمام ہاتھوں پر منہ رکھنا یہ کیوں فرض کیا گیا ہے۔ اس طرح اگر کوئی نہ کرے (گویا قضیہ فرضیہ ہے) تو تمام برادری میں بے حیا اور بے شرم اور بے عزت مشہور ہو جائے گا بلکہ ایسا تعجب کریں کہ جیسے کوئی سمجھدار مسلمان کافر بن جائے، پھر بتلایئے یہ بھی تعدی حدود ہے یا نہیں۔ اس شرم شرم میں اکثر دلہنیں نماز قضا کر ڈالتی ہیں۔ اگر ساتھ والی نے پڑھوادی تو خیر ورنہ مذہب مستورات میں اس کو اجازت نہیں کہ خود اٹھ کر یا کسی سے کہہ سن کر نماز کا انتظام کر لے۔ اس کو حس و حرکت کرنا، بولنا چالنا، کھانا پینا، اگر کھجلی بدن میں اٹھے تو کھجلانا، اگر جمائی یا انگڑائی کا غلبہ ہو تو جمائی یا انگڑائی لینا یا نیند آنے لگے تو لیٹ رہنا یا اگر پیشاب پائخانہ خطا ہونے لگے تو اس کی اطلاع تک کرنا بھی اس مذہب زنان (۱) میں حرام بلکہ کفر ہے، خدا جانے کیا جرم کیا تھا جو سخت کال کوٹھری میں یہ مظلومہ مقید کی گئی ہے، ہائے یہ شان تو بندے کی اپنے مالک حقیقی کے روبرو ہونا زیبا تھی اور جن کی ہے ان کی بھی ہے:

اے قلم بنگر کرا جا لیتی   درمیان اصبعین کیستی

یا الٰہی! اپنی رحمت کا صدقہ مجھ نالائق کو ایسا انقیاد و تسلیم نصیب فرما دیجئے اور شہروں میں یہ خرافات ہیں کہ مرد بھی دلہن کا منہ دیکھتے ہیں۔ استغفر اللہ نعوذ باللہ!

۷۶۔ پھر سب عورتیں منہ دیکھتی ہیں۔ اس کے بعد کسی کا بچہ بہو کی گود میں بٹھاتے ہیں اور کچھ مٹھائی دے کر اٹھا لیتے ہیں۔ وہی خرافات شگون، مگر کیا ہوتا ہے

(۱) عورتوں کے مذہب میں ۱۲

اس پر بھی بعضوں کے تمام عمر اولاد نہیں ہوتی تو بہ توبہ! کیا برے خیالات ہیں۔

۶۷۔ اس کے بعد بہو کو اٹھا کر چارپائی پر بٹھاتے ہیں، پھر دلہن کے داہنے پیر کا انگوٹھا نائن دھوتی ہے اور دو روپیہ یا اٹھنی وغیرہ جو بہو کے ایک پلہ میں بندھا ہوتا ہے، انگوٹھا دھلوائی میں نائن کو دیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی کوئی شگون ہے۔

۶۸۔ بعدہٗ نے دلہن کے شکرانہ کے دو طباق ایک اس کے لئے دوسرا نائن کے لئے جو بہو کے ساتھ آتی ہے بنائے جاتے ہیں۔ اس وقت بھی وہی سات سہاگنیں مل کر کچھ دانہ بہو کے منہ کو لگا کر (اس بے چاری کو للچانے کے لئے) آپس میں سب مل کر کھا لیتی ہیں (شاباش) یہ بھی شگون معلوم ہوتا ہے۔

۶۹۔ پھر دولہا والوں کی نائن دلہن والوں کی نائن کا ہاتھ دھلواتی ہے اور یہ نائن موافق تعلیم اپنے آقا کے کچھ نقد ہاتھ دھلوائی میں دیتی ہے اور کھانا شروع کر دیتی ہے۔ یہ التزام مالا یلزم اور جبر فی التبرع ہے۔

۷۰۔ بوقت کھانا کھانے کے ڈومنیاں گالیاں دیتی ہیں۔ کم بختوں پر خدا کی مار! اور اس نائن سے نیگ لیتی ہیں۔ ماشاء اللہ ہمارے بھائیوں کی نائن بھی بادشاہوں سے کم نہیں۔ گاہے بدشنامے خلعت دہند مگر گاہے کا فرق ہے کیونکہ ان کی قسمت میں ہمیشہ کے لئے یہ دولت لکھی ہے کہ گالیاں کھاؤ اور انعام دو۔ نعوذ باللہ من الجہل۔

۷۱۔ جب جہیز کھولا جاتا ہے تو ایک جوڑا ساتھ والی نائن کو دیا جاتا ہے اور ایک جوڑا سب دھیانیاں آپس میں تقسیم کر لیتی ہیں۔ چہ خوش! مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ اگر کوئی کہے کہ نہیں صاحب سب مانے ہوئے ہیں۔ حضرت مانے ہوئے ہیں، آپ ہی ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ نہ ماننے سے نکو بنائے جائیں گے۔ ایسا زبردستی کا ماننا تو وہ بھی مان لیتا ہے جس کے چوری ہوتی ہے اور خاموش ہو کر بیٹھا رہتا ہے۔ یا کوئی ظالم غصب کر لیتا اور یہ ڈر کے مارے نہیں بولتا، ایسے ماننے سے کسی کا مال نہیں جاتا۔ اسی طرح بعض جگہ بھی دستور ہے کہ جہیز میں بٹوے اور کمر بند اور تلے دانیاں ہوتی

ہیں۔ وہ سب دھانیاں آپس میں تقسیم کر لیتی ہیں اور حصہ رسد بہو کو بھی دیتی ہیں۔

۲۷۔ شب کا وقت تخلیہ کے واسطے ہے جس میں بے حیا عورتیں جھانکتی تاکتی ہیں اور مطابق مضمون حدیث کے داخل دائرہ لعنت ہوتی ہیں۔

۳۷۔ بوقت صبح بے حیائی ہوتی ہے کہ شب خوابی کا بستر چادر وغیرہ دیکھتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر بعض جگہ یہ غضب ہے کہ تمام کنبہ میں نائن کے ہاتھ پھرایا جاتا ہے۔ کسی کا راز معلوم کرنا مطلقاً حرام ہے۔ بالخصوص ایسی بے حیائی کی بات کی تشہیر سب جانتے ہیں کہ کس قدر بے غیرتی کی بات ہے مگر افسوس ہے کہ عین وقت پر کسی کو ناگوار نہیں معلوم ہوتا، اللہ بچائے!

۴۷۔ بوقت شام یعنی درمیان عصر و مغرب بہو کا سر کھولا جاتا ہے اور اس وقت ڈومنیاں گاتی جاتی ہیں اور ان کو ایک روپیہ چار آنہ یا پانچ ٹکے مانگ بھرائی اور سر کھلائی کے نام پر دیئے جاتے ہیں۔ اس میں بھی التزام مالا یلزم اور گانے کی اجرت کی خرابی موجود ہے۔

۵۷۔ بہو کے آنے سے اگلے دن اس کے عزیز قریب دو چار گاڑیاں اور مٹھائی وغیرہ لے کر آتے ہیں، اس آمد کا نام چوتھی ہے۔ اس میں بھی التزام مالا یلزم کی علت لگی ہے۔ علاوہ اس کے یہ ماخوذ ہے کفار ہند سے، اور تشبہ بالکفار کا ممنوع ہونا ظاہر ہے۔

۶۷۔ بہو کے بھائی وغیرہ گھر میں بلائے جاتے ہیں اور بہو کے پاس علیحدہ مکان میں بیٹھتے ہیں۔ اکثر اوقات یہ لوگ شرعاً نامحرم بھی ہوتے ہیں۔ مگر اس کی کچھ تمیز نہیں ہوتی کہ نامحرم کے پاس تنہا مکان میں بیٹھنا خصوصاً زیب و زینت کے ساتھ کس قدر گناہ اور بے عزتی کی بات ہے۔ وہ اکثر بہو کو کچھ نقد دیتے ہیں اور کچھ مٹھائی کھلاتے ہیں اور چوتھی کا جوڑا مع تیل و عطر و خرچ کمینان گھر میں بھیج دیتے ہیں۔ یہ سب التزام مالا یلزم میں داخل ہے۔

۷۷۔ جب نائی ہاتھ دھلانے آتا ہے تو وہ اپنا نیگ جو زیادہ سے زیادہ ایک روپیہ چار آنے اور کم سے کم چار آنے ہے لے کر ہاتھ دھلواتا ہے، اس فرضیت کا بھی کچھ ٹھکانہ ہے۔ جتنے حقوق اللہ وحقوق العباد ہیں ان میں توقف ہو جائے، مگر اس تصنیفی حق میں جو واقع میں ناحق ہے کیا ممکن کہ فرق آ جائے، پہلے اس کا قرض ادا کر دو اس کے بعد کھانا نصیب ہو۔ استغفر اللہ! مہمانوں سے دام لے کر کھانا کھلانا یہ انہیں بندگان رسم کا کام ہے، یہ التزام مالا یلزم وتعدی حدود ہے۔

۷۸۔ بروقت کھانا کھانے چوتھی والوں کے ڈومنیاں دروازہ میں بیٹھ کر اور گالیاں گا کر اپنا نیگ لیتی ہیں۔ خدا تم کو سمجھے! ایسے ہی لینے والے اور ایسے ہی دینے والے! اہل حاجت کو خوشامد اور دعاؤں پر پھوٹی کوڑی نہ دیں اور ان بدذاتوں کو گالیاں کھا کر روپیہ بخشیں۔ واہ رے رواج تو بھی کیسا زبردست ہے، خدا تجھے ہمارے ملک سے ہمیشہ کے لئے غارت کرے!

۷۹۔ دوسرے روز چوتھی کا جوڑا پہنا کر مع اس مٹھائی کے جو بہو کے گھر سے آئی تھی رخصت کرتے ہیں۔ ماشاء اللہ عطائے تو بہ لقائے تو کے یہی معنی ہیں، بھلا صاحب اس کے بھیجنے اور پھر واپس لے جانے سے کیا حاصل ہوا۔ گویا اس مبارک گھر سے مٹھائی میں برکت آ جانے کے لئے بھیجی ہوگی۔ خیال تو کیجئے، رسم کی پابندی میں عقل بے چاری کی بھی تو حکومت گئی گزری، اور التزام مالا یلزم کا شرعی گناہ والزام تو قائم ہی ہے۔

۸۰۔ اور بہو کے ساتھ نوشہ بھی جاتا ہے اور رخصت کرنے کے وقت وہی چاروں چیزیں پلو میں باندھی جاتی ہیں جو رخصت کے وقت وہاں سے بندھ کر آئی تھیں، یہ بھی خرافات اور شگون ہے۔

۸۱۔ وہاں جا کر جب دلہن اتاری جاتی ہے تو اس کا داہنا انگوٹھا وہاں کی نائن دھو کر وہ اٹھنی یا روپیہ جو بہو کے پلے میں بندھا ہوتا ہے لیتی ہے، وہی شگون یہاں بھی

ہے۔

۸۲۔ دولہا جب گھر میں جاتا ہے تو سالیاں اس کا جوتا چھپا کر جوتا چھپائی کے نام پر کم از کم ایک روپیہ لیتی ہیں۔ شاباش! ایک تو چوری کریں اور الٹا انعام پائیں۔ اول تو ایسی مہمل ہنسی کہ کسی کی چیز اٹھائی چھپادی۔ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ پھر یہ کہ ہنسی دل لگی کا خاصہ ہے کہ اس سے ایک بے تکلفی بڑھتی ہے۔ بھلا اجنبی مرد سے ایسا تعلق وارتباط پیدا کرنا خود شرع کے خلاف ہے۔ پھر اس انعام کو حق لازمی سمجھنا، یہ بھی جبر فی التبرع وتعدی حدود ہے۔ بعض جگہ جوتا چھپانے کی رسم نہیں، مگر اس کا انعام باقی ہے۔ کیا واہیات بات ہے۔ اس سے بدتر رسم چوتھی کھیلنا ہے جو بعض شہروں میں رائج ہے۔ اس میں جس درجہ بے حیائی و بے غیرتی ہوتی ہے اس کا کچھ پوچھنا نہیں، پھر جن کی عورتیں اس چوتھی کھیلنے میں شریک ہوتی ہیں ان کے شوہر باوجود اطلاع کے انتظام وانسداد نہ کرنے کی وجہ سے دیوث بنتے ہیں اور مشابہت کفار کی ان سب کے علاوہ ہے۔

۸۳۔ جب دولہا آتا ہے تو وہاں کا نائی اس کے داہنے پیر کا انگوٹھا دھو کر اپنا حق لیتا ہے جو ایک روپیہ کے قریب ہوتا ہے اور باقی کمینوں کا خرچ گھر میں دیتے ہیں، یہ سب شئون التزام مالا یلزم ہے، ان سب مواقع میں نائی کا حق سب سے زیادہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ کفار ہند کی رسم کا اتباع ہے۔ ان کے رواج میں چونکہ نائی کے اختیارات بہت وسیع ہیں اس لئے اس کی بڑی قدر ہے، بے علم مسلمانوں نے اختیارات تو سب کر لئے مگر تنخواہ وہی رکھی جو اکثر جگہ محض ناحق لینا دینا ہے اور جہاں کوئی شرعی تاویل بھی نہیں ہوسکتی۔

۸۴۔ دو چار دن کے بعد پھر دولہا والے دلہن کو لے جاتے ہیں، اس کو بہوڑہ کہتے ہیں اور اس میں بھی وہی سب رسمیں ہوتی ہیں جو چوتھی میں ہوئی ہیں، جو منکرات ومعاصی اس میں تھے وہی سب یہاں بھی سمجھ لئے جائیں۔

۸۵۔اس کے بعد بہو کے باپ کے گھر سے کچھ عورتیں بہو کو لینے آتی ہیں اور اپنے ساتھ کھجوریں لاتی ہیں، وہی التزام مالا یلزم ہے۔

۸۶۔اور یہ کھجوریں ساری برادری میں تقسیم ہوتی ہیں، وہی ریاء و نمود۔

۸۷۔پھر جب یہاں سے رخصت ہوتی ہے تو نئی کھجوریں اس کے ساتھ کی جاتی ہیں وہی التزام مالا یلزم ہے۔

۸۸۔اور وہ باپ کے گھر جا کر برادری میں تقسیم ہوتی ہیں، وہی فخر و ریاء۔

۸۹۔اس کے بعد اگر شب برات اور محرم ہو تو باپ کے گھر ہوگا، یہ پابندی کون سی وحی سے ثابت ہے۔ صرف وجہ اس کی ایک خیال جاہلیت ہے کہ محرم اور شب برات کو نعوذ باللہ نا مبارک سمجھتے ہیں۔ اس لئے دولہا کے گھر اس کا ہونا نا زیبا جانتے ہیں۔

۹۰۔اور رمضان بھی وہیں ہوگا۔ قریب عید سواری بھیج کر بہو کو بلاتے ہیں۔ غرض یہ کہ جو تہوار غم اور بھوک اور سوزش کے ہیں۔ محرم خود زمانہ حزن کا سمجھا جاتا ہے۔ رمضان میں بھوک اور پیاس کا ہونا ظاہر ہے۔ شب برات کو عوام جلتا مہینہ کہتے ہیں، غرض یہ سب باپ کے حصہ میں اور عید جو خوشی اور شیرینی کا تہوار ہے وہ شوہر کے گھر ہونا چاہئے۔

۹۱۔اور وہاں سے دو تین من جنس مثل سویاں، چاول، آٹا، میوہ وغیرہ بھیجا جاتا ہے اور دولہا دلہن کا جوڑا مع کچھ نقدی گھی کے نام سے اور کچھ شیرینی دی جاتی ہے۔ یہ ایسا فرض ضروری ہے کہ گو سودی روپیہ قرض لینا پڑے مگر یہ قضا نہ ہو صریح تعدی حدود ہے۔

۹۲۔بعد نکاح کے سال دو سال تک بہو کی روانگی کے وقت کچھ مٹھائی اور کچھ نقد اور جوڑے وغیرہ طرفین سے بہو کے ہمراہ کر دیئے جاتے ہیں اور عزیزوں میں بھی خوب دعوتیں ہوتی ہیں مگر ری جرمانہ کی دعوت کہ بدنامی سے بچنے کو یا ناموری د

سرخروئی حاصل کرنے کو سارا بکھیڑا ہوتا ہے۔ پھر اس میں معاوضہ و مساوات کا پورا لحاظ ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات خود شکایت و تقاضا کر کے دعوت کھاتے ہیں۔ غرض تھوڑے دنوں تک یہ آؤ بھگت سچی یا جھوٹی ہوتی رہتی ہے۔ پھر اس کے بعد "کس نمی پرسد کو بھیا کون ہو۔" سب خوشیاں منانے والے اور جھوٹی وفاداری کرنے والے علیحدہ ہوئے، اب جو مصیبت پڑے بھگتو۔

کاش جس قدر روپیہ بے ہودہ اڑایا ہے ان دونوں کے لئے اس سے کوئی جائیداد خرید کر دی جاتی۔ یا تجارت کا سلسلہ شروع کر دیا جاتا، کس قدر راحت ہوتی۔ ساری خرابی اس التزام مالایلزم کی ہے۔

۹۳۔ شیرینی طرفین کی برادری میں تقسیم ہو جاتی ہے جس کی بناء وہی ریاء ہے اور اگر شیرینی سب کو نہ پہنچے تو اپنے گھر سے منگا کر اس میں ملاؤ، یہ بھی جرمانہ ہے۔

۹۴۔ بعض جگہ کنگنا(۱) باندھنے کا بھی دستور ہے جو لوجہ رسم کفار ہونے کے منع ہے۔

۹۵۔ بعض جگہ آرسی مصحف کی رسم ہے، اس میں بھی طرح طرح کی رسوائیاں اور فضیحتیاں جو بالکل عقل اور شرع کے خلاف ہے۔

۹۶۔ بعض جگہ آرائش و آتش بازی کا سامان ہوتا ہے، جس کا سراسر اسراف اور حرام ہونا حدیث میں موجود ہے۔

۹۷۔ بعض جگہ باجے ہندوستانی اور انگریزی ہوتے ہیں۔ معازف و مزامیر کا حرام ہونا حدیث میں موجود ہے۔

۹۸۔ بعض جگہ چوتھی کھیلنے کا رواج ہے جو سراسر بے غیرتی اور بے حیائی اور تشبہ بالکفار ہے، جیسا اوپر مفصل مذکور ہے۔

۹۹۔ بعض جگہ دولہا دلہن کو گود میں لے کر ڈولہ میں اتارتا جاتا ہے۔ کس قدر بے

(۱) شادی کے موقع پر دولہا کے ہاتھ پر رنگین پٹہ باندھتے ہیں یہ ہندوانی رسم ہے۔

غیرتی کی بات ہے۔
۱۰۰۔ بعض تاریخوں اور مہینوں اور سالوں مثلاً اٹھارہ سال کو منحوس کہتے ہیں اور اس میں شادی نہیں کرتے۔ یہ اعتقاد بھی عقل اور شرع کے خلاف ہے۔

یہ ایک سو واقعات ہیں جن میں سے کسی میں ایک گناہ، کسی میں دو گناہ، کسی میں چار، پانچ اور بعض میں تیس تک مجتمع ہیں۔ اگر اوسط فی واقعہ تین گناہ رکھے جائیں تو واقعات مذکورہ تین سو گناہوں کا مجموعہ ہے۔ جس عقد میں تین سو حکم شرعی کی مخالفت ہوتی ہو، اس میں خیر و برکت کا کیا ذکر۔

غرض واقعات مذکورہ ان معاصی سے پُر ہیں۔ اسراف، افتخار و نمائش، التزام مالا یلزم، تشبہ بالکفار(۱)، سودی قرض یا بلا ضرورت قرض لینا، جبر تبرعات، بے پردگی، شرک، فساد عقیدہ، نمازوں کا یا جماعت کا قضا ہونا، اعانت معصیت، اصرار و استحسان معاصی کا جن کی مذمت قرآن و حدیث میں صاف صاف مذکور ہے۔ چنانچہ مختصراً ذکر ہوتا ہے:

ارشاد فرمایا ہے کہ اسراف مت کرو، بے شک اللہ جل شانہ پسند نہیں کرتا اسراف کرنے والوں کو، اور دوسری جگہ فرمایا کہ بے ہودہ اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر گزار ہے۔ اور حدیث میں ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص دکھلاوے کا کوئی کام کرے دکھلائے گا اللہ تعالیٰ اس کی رسوائی کو۔ اور جو شخص سنانے کے واسطے کوئی کام کرے سنائے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیوب قیامت کے روز۔ اور حدیث میں ہے کہ اپنی نماز میں سے شیطان کا حصہ مت بناؤ کہ نماز پڑھ کر داہنی طرف سے پھرنے کو ضروری سمجھنے لگو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ضروری قرار دینا شیطان کی رضا و خوشی کا باعث ہے۔ محققین نے فرمایا ہے کہ جب مندوبات پر اصرار کرنے کا یہ حال ہے تو مباح پر اصرار

(۱) کفار کے ساتھ مشابہت ۱۲

کرنے کا تو کیا حال ہوگا۔ اور میں کہتا ہوں کہ اگر معاصی پر اصرار کرے تو کیا حال ہوا۔ اور حدیث میں ہے کہ لعنت فرمائی رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے اور دینے والے کو اور قرض کے باب میں جو تہدیدیں آئی ہیں وہ مشہور و معروف ہیں۔ وہ بلا ضرورت قرض لینے سے روکنے کے لئے کافی ہے اور حدیث میں ہے کہ کسی شخص کا مال حلال نہیں ہے بدون اس کی خوش دلی کے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تبرعات میں جبر حرام ہے اور حدیث میں ہے کہ لعنت کرے اللہ تعالیٰ دیکھنے والے کو اور جس کی طرف دیکھا جائے۔ اس سے بے پردگی کی مذمت و حرمت ثابت ہوئی۔

شرک کی مذمت کون نہیں جانتا، اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کسی عمل کے ترک کرنے کو کفر نہ سمجھتے تھے، بجز نماز کے۔ اور حدیث میں ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جان میری اس کے قبضہ میں ہے کہ میرا ارادہ یوں ہوا کہ اول لکڑیاں جمع کراؤں اور پھر نماز کے لئے اذان کہلواؤں، پھر جو لوگ نماز میں حاضر نہیں ہوئے ان کی طرف چلوں اور ان کے گھروں کو جلا دوں۔

اس سے جماعت میں حاضر نہ ہونے کی کس درجہ وعید معلوم ہوتی ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کی مدد مت کرو گناہ اور ظلم میں۔ اور حدیث میں ہے کہ جب نیکی کرنے سے تیرا جی خوش ہو اور برا کام کرنے سے جی برا ہو، پس تو مومن ہے اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کو مستحسن سمجھنا اور اس پر اصرار کرنا ایمان کا ویران کرنے والا ہے...... اور حدیث میں بالخصوص ان رسوم جہالت کی نسبت بہت سخت وعید آئی ہے۔

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ سب سے زیادہ بغض اللہ تعالیٰ کو تین شخصوں کے ساتھ ہے، ان میں سے ایک یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اسلام میں آکر جاہلیت کی رسمیں برتنا چاہتا ہے اور بہت سی احادیث مضامین مذکورہ کی موجود ہیں، چونکہ ان خرابیوں کی

برائی بدیہی (۱) ہے۔ اس لئے زیادہ دلائل قائم کرنے کی حاجت نہیں۔ اگر در خانہ کس است یک حرف بس است۔ پس مسلمانوں کو فرض و واجب و مقتضائے ایمان و عقل یہ ہے کہ ان خرابیوں کی برائی جب عقلاً و نقلاً ثابت ہوگئی، ہمت کر کے سب کو خیر باد کہے اور نام و بدنامی پر نظر نہ کرے۔ بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ عزت و نیک نامی ہوتی ہے اور ان رسوم کی موقوفی کے دو طریق ہیں، ایک تو یہ کہ سب برادری متفق ہو کر یہ سب بکھیڑے موقوف کریں۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ اگر کوئی اس کا ساتھ نہ دے تو خود ابتدا کر دے، دیکھا دیکھی اور لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔ اس طرح چند روز میں عام اثر پھیلے گا اور ابتدا کرنے کا ثواب اس شخص کو ملے گا اور مرنے کے بعد بھی وہ ثواب لکھا جایا کرے گا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب جس کو گنجائش ہو وہ کرے جس کو نہ ہو وہ نہ کرے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو گنجائش والوں کو بھی گناہ کرنا جائز نہیں۔ جب ان رسوم کا معصیت ہونا ثابت ہوگیا پھر گنجائش سے اجازت کب ہوسکتی ہے۔ دوسرے یہ کہ جب گنجائش والے کریں گے تو ان کی برادری کے غریب آدمی بھی اپنی حفظ آبرو کے لئے ضرور کریں گے۔ اس لئے ضروری امر اور مقتضاء یہی ہے کہ سب ہی ترک کر دیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر یہ رسوم موقوف ہو جائیں تو پھر میل ملاپ کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو میل ملاپ کی مصلحت سے معاصی کا ارتکاب کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا، پھر یہ کہ میل ملاپ اس پر موقوف بھی نہیں۔ بلا پابندی رسوم اگر ایک دوسرے کے گھر جاوے یا اس کو بلائے، اس کو کھلائے پلائے، کچھ امداد و سلوک کرے، جیسے یار دوستوں میں راہ و رسم جاری ہیں تو یہ ممکن ہے، بلکہ اب تو ان رسموں کی بدولت بجائے محبت و الفت کے جو کہ میل ملاپ سے اصلی مقصود

(۱) ظاہر ہے۔۱۲

ہے اکثر رنج و تکرار اور شکایت اور پرانے کینوں کا تازہ کرنا اور صاحب تقریب کی عیب جوئی اور تذلیل کے درپے ہونا، اور اس طرح کی دوسری خرابیاں دیکھی جاتی ہیں، اور چونکہ ایسا لینا دینا، کھانا اور کھلانا عرفاً لازم ہوگیا ہے، اس لئے کچھ فرحت و مسرت بھی نہیں ہوتی، نہ دینے والے کو کہ وہ ایک بیگاری اتارتا ہے نہ لینے والے کو، کہ وہ اپنا حق ضروری یا معاوضہ سمجھتا ہے۔ پھر لطف کہاں اس لئے ان تمام خرافات کا حذف کرنا واجب ہے۔

منگنی میں زبانی وعدہ کافی ہے نہ حجام کی ضرورت نہ جوڑا اور نشانی اور شیرینی کی حاجت، اور جب دونوں نکاح کے قابل ہوجائیں زبانی یا بذریعہ خط و کتابت کوئی وقت ٹھہرا کر دولہا کو بلالیں، ایک اس کا سرپرست اور ایک خدمت گزار اس کے ہمراہ کافی ہے۔ نہ بری کی ضرورت اور نہ برات کی حاجت، نکاح کے فوراً یا ایک آدھ روز مہمان رکھ کر ان کو رخصت کردیں، اور بقدر اپنی گنجائش کے جو ضروری اور کارآمد چیزیں ہیں جہیز میں دینا منظور ہوں بلا اعلان ان کے گھر بھیج دیں یا اپنے گھر میں اس کے سپرد کردیں۔ نہ سسرال کے جوڑوں کی ضرورت نہ چوتھی بھوڑوں کی حاجت اور جب چاہیں دلہن والے بلالیں اور جب موقع ہو دولہا والے بلالیں۔ اپنے اپنے کمینوں کے فریقین بذریعہ گنجائش دے دیں۔ منہ پر ہاتھ رکھنا بھی کچھ ضروری نہیں، بکھیر بھی فضول ہے۔ اگر توفیق ہو شکریہ میں حاجت مندوں کو دو۔ کسی کام کے لئے قرض مت کرو، البتہ ولیمہ مسنون ہے۔ وہ بھی خلوص نیت و اختصار کے ساتھ، نہ کہ فخر و اشتہار کے ساتھ ورنہ ایسا ولیمہ بھی جائز نہیں۔ حدیث میں ایسے ولیمہ کو شرالطعام فرمایا گیا ہے۔ نہ ایسا ولیمہ جائز نہ اس کا قبول کرنا جائز۔ اس سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اکثر کھانے جو برادری کو کھلائے جاتے ہیں ان کا کھانا کھلانا کچھ جائز نہیں۔ دیندار کو چاہئے کہ نہ خود ان رسموں کو کرے اور جس تقریب میں یہ رسمیں ہوں ہرگز وہاں شریک نہ ہو، صاف انکار کردے۔ برادری کنبہ کی رضا مندی اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے روبرو

کچھ کام نہ آئے گی۔ واللہ الموفق بس نکاح ہو گیا۔

تتمہ: ان ہی رسوم مذکورہ میں سے مغالاۃ فی المہر یعنی مہر کے زیادہ ٹھہرانے کی رسم ہے، جو خلاف سنت ہے۔ حدیث میں ہے کہ فرمایا عمر رضی اللہ عنہ نے کہ خبردار مہر بڑھا کر مت ٹھہراؤ، اس لئے کہ اگر یہ عزت کی بات ہوتی دنیا میں اور تقوے کی بات ہوتی اللہ کے نزدیک تو تمہارے پیغمبر ﷺ اس کے زیادہ مستحق تھے۔ مجھ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی بی بی سے نکاح کیا ہو یا کسی صاحبزادی کا نکاح کیا ہو بارہ اوقیہ سے زیادہ۔ پھر روایت کیا اس کو ترمذی وغیرہ نے۔

بعض کہتے ہیں کہ زیادہ مہر اس لئے مقرر کرتے ہیں تاکہ شوہر چھوڑ نہ سکے۔ یہ عذر بالکل لغو ہے۔ اول تو جن کو چھوڑنا ہوتا ہے چھوڑ ہی دیتے ہیں، بعد میں جو کچھ بھی ہو اور جو مطالبہ مہر کے خوف سے نہیں چھوڑتے، وہ چھوڑنے سے بدتر کر دیتے ہیں۔ یعنی تطلیق کی جگہ تعلیق عمل میں لاتے ہیں کہ نکاح سے تو نہیں نکالتے، مگر حقوق بھی ادا نہیں کرتے۔ ان کا کوئی کیا کر لیتا ہے؟ یہ سب عذر فضول ہیں۔ اصل یہ ہے کہ افتخار کے لئے ایسا کرتے ہیں کہ خوب شان ظاہر ہو، سو فخر کے لئے کوئی کام کرنا گو اصل میں مباح ہو حرام ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ فی نفسہ بھی خلاف سنت اور مکروہ ہو، وہ تو اور بھی ممنوع ہو جائے گا۔ مسنون تو یہی ہے کہ ڈیڑھ سو روپیہ کے قریب ٹھہرائیں اور خیر اگر ایسا ہی زیادہ باندھنے کا شوق ہے تو ہر شخص کی وسعت کے مطابق کریں، اس سے زیادہ نہ کریں۔

نکاح حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ سے اس دولت عظمیٰ کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے صغر سنی کا عذر

فرمادیا۔ پھر حضرت علیؓ نے اپنے اہل وخواص کے اصرار اور بحسب بعض روایات حضرات شیخین کے ترغیب دلانے سے شرماتے ہوئے خود حاضر ہوکر زبانی عرض کیا۔ آپ ﷺ پر فوراً وحی نازل ہوئی، اور آپ ﷺ نے ان کی عرض کو قبول کرلیا۔

مؤلف کہتا ہے: اس سے معلوم ہوا کہ منگنی میں یہ تمام بکھیڑے جو آج کل رائج ہیں سب لغو اور خلاف سنت ہیں۔ پس زبانی پیغام وجواب کافی ہے، اور اس وقت عمر حضرت فاطمہؓ کی ساڑھے پندرہ سال کی اور حضرت علیؓ کی اکیس سال کی تھی۔

مؤلف: اس سے معلوم ہوا کہ عمر کے بعد توقف نکاح میں اچھا نہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دولہا دلہن کی عمر میں تناسب بھی ملحوظ رکھنا مناسب ہے اور بہتر یہ ہے کہ دولہا کسی قدر دلہن سے عمر میں بڑا ہو۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے انسؓ! جاؤ اور ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وطلحہؓ وزبیرؓ اور ایک جماعت انصار کو بلالاؤ۔

مؤلف: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نکاح کی مجلس میں اپنے خاص لوگوں کو مدعو کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اور حکومت اس میں یہ ہے کہ نکاح میں اشتہار واعلان ہوجائے جو کہ مطلوب ہے۔ مگر اس اجتماع میں غلو ومبالغہ نہ ہو۔ وقت پر بلا تکلف جو دو چار آدمی قریب نزدیک کے ہوں جمع ہوجائیں۔ یہ سب صاحب حاضر ہوگئے۔ آپ ﷺ نے ایک بلیغ (۱) خطبہ پڑھ کر ایجاب وقبول کرایا۔

مؤلف:۔ اس سے معلوم ہوا کہ باپ کا پیچھے پیچھے پھرنا یہ بھی خلاف سنت ہے۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ باپ خود اپنی دختر کا نکاح پڑھ دے۔ کیونکہ یہ ولی ہے دوسرا وکیل۔ ولی کو بہرحال وکیل سے ترجیح ہے اور چار سو مثقال (۲) چاندی مہر مقرر ہوا۔ کذا فی **تحفة الزوجين وغيرها من الوسائل النبوية**

مؤلف: اس سے معلوم ہوا کہ مہر لمبا چوڑا ٹھہرانا بھی خلاف سنت ہے، پس مہر

---

(۱) الخطبۃ الماثورہ میں وہ خطبہ نقل بھی کردیا گیا ہے۔ ۱۲۔ (۲) جس کی مقدار اس وقت انگریزی سکے سے ۱۲ ماشہ کے روپیہ سے ڈیڑھ سو روپے ہوتے ہیں۔ ۱۲۔

فاطمی کافی و موجب برکت ہے اور اگر کسی کو وسعت نہ ہو اس سے بھی کم مناسب ہے،

پھر آپ ﷺ نے ایک طبق خرما کا لے کر بکھیر دیا۔

مؤلف: اس روایت کو ذہبی وغیرہ محدثین نے ضعیف کہا ہے، اور غایت مافی الباب سنت زائدہ ہوگا۔ مگر قاعدہ شرعیہ ہے کہ جہاں امر مباح یا مستحب میں اقتران کسی مفسد کا ہو جائے اس کو ترک کر دینا مصلحت ہے۔ اس معمول میں آج کل اکثر رنج و تکرار کی نوبت آ جاتی ہے۔ اس لئے تقسیم پر کفایت کریں۔ حضور ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو حضرت ام ایمنؓ کے ہمراہ حضرت علیؓ کے گھر بھیج دیا۔

مؤلف: صاحبو! یہ دونوں جہاں کی شہزادی کی رخصتی ہے جس میں نہ دھوم دھام نہ میانہ پالکی نہ بکھیر نہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے کمینوں کا خرچ دلایا نہ کنبہ برادری نے کھانا کھایا۔ ہم لوگوں کو بھی لازم ہے کہ اپنے پیغمبر سردار دو جہاں ﷺ کی پیروی کریں اور اپنی عزت کو حضور ﷺ کی عزت سے بڑھ کر نہ سمجھیں۔ نعوذ باللہ منہ۔

پھر حضور پر نور ﷺ ان کے گھر تشریف لائے اور حضرت فاطمہؓ سے پانی منگایا۔ وہ ایک پیالہ چوبیں میں پانی لائیں۔

مؤلف: اس سے معلوم ہوا کہ نئی نئی دلہن کو شرم میں اس قدر مبالغہ کرنا کہ چلنا پھرنا، اپنے ہاتھ سے کوئی کام کرنا عیب سمجھا جائے، یہ بھی سنت کے خلاف ہے۔ حضور ﷺ نے اپنا لعاب دہن مبارک اس میں ڈال دیا اور حضرت فاطمہؓ کو فرمایا کہ ادھر منہ کرو، اور ان کے سینہ مبارک اور سر مبارک پر قدرے پانی چھڑکا اور دعا کی کہ الٰہی ان کو ان کی اولاد کو شیطان مردود سے آپ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ ادھر پشت کرو اور آپ ﷺ نے ان کے شانوں کے درمیان پانی چھڑکا اور پھر وہی دعا کی۔ پھر حضرت علیؓ سے پانی منگایا اور یہی عمل ان کے ساتھ بھی کیا۔ مگر پشت کی طرف پانی نہیں چھڑکا۔

مؤلف: مناسب ہے کہ نکاح کے بعد دولہا دلہن کو ایک جگہ جمع کر کے یہ عمل کیا

کریں کہ موجب برکت ہے۔ ہندوستان میں ایسی بری رسم ہے کہ باوجود نکاح ہو جانے کے بعد دولہا ودلہن میں پردہ رہتا ہے اور ایک دوسرا عمل جو مشہور ہے کہ دلہن کے پاؤں دھو کر گھر میں جا بجا پانی چھڑکا جاتا ہے۔ تذکرۃ الموضوعات میں اس کو موضوع قرار دیا ہے۔ پھر ارشاد ہوا کہ بسم اللہ، برکت کے ساتھ اپنے گھر جاؤ اور ایک روایت میں ہے کہ نکاح کے دن حضور ﷺ نے بعد عشاء حضرت علیؓ کے گھر تشریف لا کر اور ایک برتن میں پانی لے کر اس میں لعاب دہن مبارک ڈالا اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر دعا کی۔ پھر حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ کو علی الترتیب حکم فرمایا کہ اسے پئیں اور وضو کر لیں۔ پھر دونوں صاحبوں کے لئے دعا تطہیر و تالیف برکت اولاد خوش نصیبی کی فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا جاؤ آرام کرو۔

مؤلف: اگر داماد کا گھر قریب ہو تو یہ عمل بھی کرنا موجب برکت ہے اور جہیز حضرت سیدۃ النساءؓ کا یہ تھا۔ دو چادر یمانی جو سوسی کے طور پر ہوتی تھیں، دو نہالی جس میں السی کی چھال بھری تھی اور چار گدے، دو بازو بند چاندی کے اور ایک کملی اور ایک تکیہ اور ایک پیالہ اور ایک چکی اور ایک مشکیزہ اور پانی رکھنے کا برتن، یعنی گھڑا اور بعض روایتوں میں ایک پلنگ بھی آیا ہے۔ ازالۃ الخفاء

مؤلف: صاحبو! جہیز میں اس امر کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ اول اختصار کہ گنجائش سے زیادہ تنگ وود نہ کرے۔ دوم ضرورت کا لحاظ جن چیزوں کی سر دست ضرورت واقع ہوگی وہ دینا چاہئے۔ سوم اعلان نہ ہونا کیونکہ یہ تو اپنی اولاد کے ساتھ صلہ رحمی ہے۔ دوسروں کو دکھلانے کی کیا ضرورت ہے۔ حضور ﷺ کے فعل سے جو اس روایت میں مذکور ہے تینوں امر ثابت ہیں اور حضور ﷺ نے کام اس طرح تقسیم فرمایا کہ باہر کا کام حضرت علیؓ کے ذمے اور گھر کا کام حضرت فاطمہؓ کے ذمے۔

مؤلف: معلوم نہیں ہندوستان کی شریف زادیوں میں گھر کے کاروبار سے کیوں عار کی جاتی ہے۔ پھر حضرت علیؓ نے ولیمہ کیا اور ولیمہ میں یہ سامان تھا جو چند صاع

(ایک صاع نمبری سیر سے ساڑھے تین سیر کے قریب ہوتا ہے) اور کچھ خرمہ اور کچھ مالیدہ۔

مؤلف: پس ولیمہ کا مسنون طریق یہ ہے کہ بلا تکلف و بلا تفاخر اختصار کے ساتھ جس قدر میسر ہو جائے اپنے خاص لوگوں کو کھلا دے۔

نکاح ازواج مطہراتؓ

مہر حضرت خدیجہؓ پانچ سو درہم یا اس قیمت کے اونٹ تھے جو ابو طالب نے اپنے ذمے رکھے، اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا کوئی برتنے کی چیز تھی۔ جو دس درہم کی تھی اور حضرت جویریہؓ کا چار سو درہم تھے اور حضرت ام حبیبہؓ کا چار سو دینار تھے جو شاہ حبشہ نے اپنے ذمے رکھے، اور حضرت سودہؓ کا چار سو درہم تھے اور ولیمہ حضرت ام سلمہؓ کا قدرے جو کا کھانا اور حضرت زینبؓ بنت جحش کے ولیمہ میں ایک بکری ذبح ہوئی تھی اور گوشت روٹی لوگوں کو کھلائی گئی، اور حضرت صفیہؓ کا جو جو کچھ صحابہؓ کے پاس حاضر تھا سب جمع کر لیا گیا۔ یہی ولیمہ تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ نہ اونٹ ذبح ہوا نہ بکری، سعد بن عبادہ کے گھر سے ایک پیالہ دودھ کا آیا تھا، پس وہی ولیمہ تھا۔

مؤلف: اور مفصل حالات نکاح بنات مقدسات و ازواج مطہرات کے کتب سیر میں مذکور ہیں مگر اس مقام پر ایک نکاح کی مفصل حالت لکھ کر باقی عقود کے واقعات میں سے صرف بعض مہر و ولیمہ کے ذکر پر اکتفا کیا گیا کہ زیادہ غرض اس مقام پر یہ دکھلانا ہے کہ یہ تکلفات و اسرافات وغیرہا سب ہمارے سردار دو جہاں ﷺ کے طریقہ محبوبہ مرضیہ مقبولہ کے خلاف ہے اور یہ غرض اس اجمال سے حاصل ہے اور ایک

درہم تخمیناً سوا چار آنہ کا ہوتا ہے اور ایک دینار دس درہم کا، اس سے معلوم ہو جائے کہ حضور اکرم ﷺ کا مہر کس قدر ہلکا تھا اور کوئی شخص ناداری کی تاویل نہیں کر سکتا۔ حضور اکرم ﷺ اگر چاہتے تو دنیا بھر کے خزائن آپ ﷺ کے پائے مبارک پر تصدق کر دیئے جاتے اور چار سو دینار صرف ایک بی بی کا مہر ہوا سو وہ بھی ایک بادشاہ نے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ اس پر بھی وہ ہمارے ملک کے رواج سے پھر بھی بہت کم ہے۔ اہل اسلام پر لازم ہے کہ اسی طریقہ سے اپنا معمول مقرر کریں ورنہ کیوں خسر الدنیا والآخرۃ کے مصداق بنتے ہیں۔

نکاح کے مسائل

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند مسائل ضروری نکاح کے متعلق جن کی بہت ضرورت ہے لکھ دیئے جائیں۔ سب کو بالخصوص نکاح خواں قاضیوں کو ان کا یاد کر لینا ضروری ہے۔ ان کے نہ جاننے سے اکثر اوقات نکاح میں خرابی ہو جاتی ہے۔

۱۔ مسئلہ: نابالغہ کا نکاح بدون اجازت ولی کے صحیح نہیں ہے اور خود اس منکوحہ کا زبان سے کہنا قابل اعتبار نہیں خواہ اس کا پہلا نکاح ہو یا دوسرا نکاح ہو۔

۲۔ مسئلہ: اگر نابالغہ کا نکاح ولی نے غیر کفو سے کر دیا، سو اگر باپ دادا نے کسی ضروری مصلحت سے کیا ہے تو صحیح ہے، بشرطیکہ ظاہراً کوئی امر خلاف مصلحت نہ ہو، ورنہ صحیح نہ ہوا اور اگر باپ دادا کے سوا کسی دوسرے ولی نے نکاح کیا ہے تو فتویٰ اس پر ہے کہ بالکل جائز نہ ہوگا۔

۳۔ مسئلہ: بالغہ کا نکاح بلا اجازت اس کے جائز نہیں۔ پس اگر یہ اس کا دوسرا نکاح ہوتا ہے تب تو زبان سے اجازت لینی چاہئے اور اگر پہلا نکاح ہے تو اگر

اجازت لینے والا ولی ہے تب تو دریافت کرنے کے وقت اس کا خاموش ہوجانا ہی اجازت ہے اور اگر کوئی دوسرا شخص ہے تو اس کا زبان سے کہنا ضروری ہے بدون اس کے اجازت معتبر نہ ہوگی۔

۴۔ مسئلہ: بالغہ اگر بلا اجازت ولی کے خود اپنا نکاح کر لے، کفو میں تو جائز ہے اور غیر کفو میں فتویٰ یہی ہے کہ بالکل جائز نہیں۔ البتہ اگر کسی عورت کا کوئی ولی ہی نہ ہو، اور اگر ولی اس کی کارروائی پر رضامند ہو تو غیر کفو میں جائز ہوگا۔

۵۔ مسئلہ: اگر ولی نے بالغہ کا نکاح بلا اس کی اجازت کے کر دیا اور بعد میں وہ سن کر خاموش ہوگئی۔ اب نکاح صحیح ہوگیا اور اگر غیر ولی نے ابتداء اجازت لی تھی مگر وہ خاموش ہوگئی تو اس وقت نکاح صحیح نہ ہوگا، لیکن اگر صحبت کے وقت اس کی ناراضی ظاہر نہ ہوئی تو وہ نکاح اب صحیح ہو جائے گا۔

۶۔ مسئلہ: ایجاب وقبول کے الفاظ ایسی بلند آواز سے کہنے چاہئیں کہ گواہ اچھی طرح سن لیں۔

۷۔ مسئلہ: ولی سب سے اول باپ ہے، پھر دادا، پھر حقیقی بھائی، پھر علاتی بھائی۔ پھر ان کی اولاد اسی ترتیب سے پھر حقیقی چچا، پھر علاتی چچا، پھر چچازاد بھائی۔ اسی ترتیب سے اور عصبات بترتیب فرائض کے، جب کوئی عصبہ نہ ہو تو ماں، پھر دادی، پھر نانا، پھر حقیقی بہن، پھر اخیافی بہن بھائی، پھر پھوپھی، پھر ماموں، پھر خالہ، پھر چچازاد بہن، پھر اور ذوی الارحام۔

۸۔ مسئلہ: ولی کے قریب ہوتے ہوئے ولی بعید کو ولایت نہیں پہنچتی۔

۹۔ مسئلہ: طلاق تین طرح پر ہے، رجعی، بائن (۱)، مغلظہ۔ رجعی میں عدت کے اندر اگر شوہر نے رجوع کر لیا تو نکاح باقی رہے گا، دوسرے سے نکاح جائز نہیں۔ اگر عدت کے اندر رجعت نہ کی تو نکاح جاتا رہے گا۔ بعد عدت کے اس عورت کا دوسرے

(۱) طلاق بائن میں اسی شوہر سے عدت میں اور بعد عدت ہر وقت نکاح جائز ہے۔

شخص سے نکاح جائز ہے اور مغلظ میں رجوع جائز نہیں ہے۔ مگر عدت کے اندر دوسرے شخص سے نکاح جائز نہیں۔ البتہ بعد عدت جائز ہے۔

۱۰۔ مسئلہ: عدت کی تفصیل یہ ہے کہ اگر بی بی شوہر کے پاس نہیں بھیجی گئی اور شوہر نے طلاق دے دی تو عدت بالکل واجب نہیں، اور اگر شوہر کے پاس بھیجی گئی ہے سو اگر ابھی اس کو حیض شروع نہیں ہوا یا عمر زیادہ ہونے سے حیض بند ہو گیا اور اس کو طلاق دی گئی ہے تو اس کی عدت تین ماہ ہے اور اگر اس کو حیض آتا ہے تو تین حیض ہے، اور اگر اس کو حمل ہے تو عدت اس کی یہ ہے کہ بچہ پیدا ہو جائے اور اگر شوہر مر گیا ہے تو اس وقت سب کی عدت چار مہینے دس دن ہیں۔ مگر حمل والی کی عدت یہاں بھی بچہ کا پیدا ہونا ہے۔

غرض جس عورت کی جو عدت ہو اس کے اندر دوسرا نکاح جائز نہیں۔ جو عورت کافر مسلمان ہو جائے، اور اس کا خاوند مسلمان نہ ہو تو اس کا حکم مثل طلاق کے ہے۔ اس میں بھی عدت واجب ہے۔ جب تک تین حیض اس وقت سے نہ آ جائیں یا اگر حمل والی ہو تو جب تک بچہ پیدا نہ ہو جائے کسی شخص سے اس کا نکاح جائز نہیں۔ اس کا اکثر لوگ احتیاط نہیں کرتے۔

۱۱۔ مسئلہ: نکاح کے وقت یہ بھی تحقیق کر لینا ضروری ہے کہ ناکح منکوحہ میں علاقہ حرمت نسبی یا رضاعی کا تو نہیں۔

حجاب کے مسائل

۱۔ مسئلہ مرد کو ناف سے زانو کے نیچے تک بدن ڈھانکنا فرض ہے۔ مردوں سے اور عورتوں سے بھی۔ بجز اپنی بی بی کے اس سے کوئی عضو ڈھانکنا ضروری نہیں۔ گو بلا ضرورت بدن دکھانا خلاف اولیٰ ہے۔

۲۔ مسئلہ: عورت کو عورت کے روبرو بھی ناف سے نیچے زانو تک بدن کھولنا جائز نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض عورتیں جو نہاتے وقت دوسری عورت کے روبرو ننگی بیٹھ جاتی ہیں، یہ بالکل گناہ ہے۔

۳۔ مسئلہ: عورت کو اپنے محرم شرعی کے روبرو ناف سے زانو تک اور کمر اور شکم کھولنا حرام ہے، باقی سر اور چہرہ اور بازو اور پنڈلی کھولنا گناہ نہیں۔ گو بعض اعضاء کا بلا ضرورت ظاہر کرنا مناسب بھی نہیں، اور محرم شرعی وہ ہے جس سے عمر بھر کسی طرح نکاح صحیح ہونے کا احتمال نہ ہو۔ مثلاً:

باپ، بیٹا، حقیقی بھائی یا علاتی بھائی یعنی باپ دونوں کا ایک ہو اور ماں دو ہوں یا اخیافی بھائی، یعنی ماں ایک ہو اور باپ دو ہوں۔ یا ان بھائیوں کی اولاد یا انہیں تین طرح کی بہنوں کی اولاد مثل ان کے جس جس سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہو اور جس سے عمر میں کبھی نکاح صحیح ہونے کا احتمال ہو وہ شرعاً محرم نہیں بلکہ نامحرم ہے اور جو حکم شریعت میں محض اجنبی اور غیر آدمی کا ہے وہی ان کا ہے۔ گو کسی قسم کا رشتہ قرابت کا رکھتا ہو۔ جیسے چچا کا یا پھوپھی کا، بیٹا یا ماموں کا یا خالہ کا بیٹا یا دیور یا بہنوئی یا نندوئی وغیرہم یہ سب نامحرم ہیں ان سے وہی پرہیز ہے جو نامحرم سے ہوتا ہے۔ چونکہ(۱) ایسے موقعوں پر فتنہ کا واقع ہونا سہل ہے اس لئے اور زیادہ احتیاط کا حکم ہے۔

۴۔ مسئلہ: علماء نے فساد زمانہ کو دیکھ کر بعض محرموں کو مثل نامحرموں کے قرار دیا ہے۔ بوجہ انتظام و احتیاط کے جیسے جوان خسر اور جوان عورت کا داماد اور شوہر کا بیٹا اور اس کی دوسری بی بی اور دودھ شریک بھائی وغیرہم اہل تجربہ کو معلوم ہے جو کچھ ایسے علاقوں میں فتنہ و فساد واقع ہو رہے ہیں۔

۵۔ مسئلہ: جو شرعاً نامحرم ہو اس کے روبرو سر اور بازو اور پنڈلی وغیرہ بھی کھولنا حرام

---

(۱) چونکہ ایسے لوگوں سے فتنہ کا واقع ہونا آسان ہے اس وجہ سے ان لوگوں سے خاص احتیاط رکھی جائے۔ یعنی زیادہ خلاملا نہ کیا جائے۔ ۱۲

ہے اور اگر بہت ہی مجبوری ہو مثلاً عورت کو ضروری کاروبار کے لئے باہر نکلنا پڑتا ہے یا کوئی رشتہ دار کثرت سے گھر میں آتا جاتا رہتا ہے اور گھر میں تنگی ہے کہ ہر وقت کا پردہ نبھ نہیں سکتا، ایسی حالت میں جائز ہے کہ اپنا چہرہ اور دونوں ہاتھ کلائی کے جوڑ تک، دونوں پاؤں کے ٹخنے کے نیچے تک کھولے رکھے اور اس کے علاوہ اور کسی بدن کا کھولنا جائز نہ ہوگا۔ پس ایسی عورتوں کو لازم ہے کہ سر کو خوب ڈھانکیں، کرتہ بڑی آستین کا پہنیں، پاجامہ غرارہ دار نہ پہنیں اور کلائی اور ٹخنے نہ کھلنے پائیں، کوئی مجبوری نہ ہو تو ایسا بھی ظاہر نہ کریں بلکہ گھر میں بیٹھیں اور بضرورت شرعی یا طبعی نکلیں تو برقعہ پہنیں، جیسے شرفاء میں معمول ہے۔ گو ناعاقبت اندیش اس پردہ کو بھی اڑانا چاہتے ہیں اور اس کو خلاف شرع بتاتے ہیں۔ مگر واقع میں شرعاً وعقلاً یہ مامور بہ ہے، چنانچہ تفصیل مسئلہ پردہ کی بوجہ احسن رسالہ لطائف رشیدیہ مصنف حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے لکھی ہے اور اس میں یہ مسئلہ نہایت بسط و وضاحت سے مذکور ہے، جس کا جی چاہے دیکھ لے۔

۶۔ مسئلہ: جس عضو کا ظاہر کرنا جائز نہیں، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، اس کو مطلقاً دیکھنا حرام ہے۔ گو شہوت بالکل نہ ہو اور جس عضو کا ظاہر کرنا اور نظر کرنا جائز ہے اس میں یہ قید ہے کہ شہوت کا اندیشہ نہ ہو اور اگر ذرا شک بھی ہو تو دیکھنا اس وقت حرام ہے۔ اب یہاں سے سمجھئے کہ عجوزۃ (۱) ضعیفہ جس کی طرف اصلاً احتمال رغبت کا نہ ہو تو اس کا چہرہ تو دیکھنا جائز ہوگا، مگر سر اور بازو وغیرہ دیکھنا جائز نہ ہوگا۔ ایسی عورتیں گھروں میں اس کی احتیاط نہیں کرتیں۔ اپنے اپنے نامحرم رشتہ داروں کے روبرو ننگے سر بے آستین کرتہ پہنے بیٹھی رہتی ہیں اور خود بھی گناہ گار ہوتی ہیں اور مردوں کو بھی گناہ گار کرتی ہیں۔

۷۔ مسئلہ: جس عضو کا دیکھنا حرام ہے اگر معالجہ کی ضرورت سے دیکھا جائے تو

(۱) بڑھیا عورت۔

جائز ہے بشرطیکہ نظر اس سے نہ بڑھائے۔

۸۔ مسئلہ: جو شخص شرعاً نامحرم ہے اس کا اور عورت کا تنہا مکان میں ہونا حرام ہے۔ اسی طرح اگر تنہائی نہ ہو بلکہ دوسری عورت موجود ہو مگر وہ بھی نامحرم تب بھی مرد کا اس مکان میں ہونا جائز نہیں۔ البتہ اگر عورت کا کوئی محرم یا شوہر یا اس مرد کی کوئی محرم عورت یا زوجہ بھی اس مکان میں ہو تو مضائقہ نہیں۔

۹۔ مسئلہ: جس عضو کا دیکھنا جائز ہے اور چھونے میں اندیشہ شہوت کا ہے، تو دیکھنا جائز ہوگا اور چھونا حرام ہوگا، البتہ ضرورت علاج معالجہ کی مستثنیٰ ہے۔ لیکن حتی المقدور اپنے خیال کو ادھر ادھر بانٹ دے، دل میں خیال فاسد نہ آنے دے۔

۱۰۔ مسئلہ: اگر قابلہ (۱) یعنی بچہ جنانے والی کافر ہو، زچہ کو اس کے روبرو جس قدر بدن کھولنے کی ضرورت ہے اس کا کھولنا بھی جائز نہ ہوگا۔ اس ملک کی عورتیں اکثر مہترانیوں کے یا مالنوں کے آنے جانے میں اس کی احتیاط نہیں کرتیں۔

۱۱۔ مسئلہ: اگر قابلہ یعنی بچہ جنانے والی کافر نہ ہو، زچہ کو اس کے روبرو جس قدر بدن کھولنے کی ضرورت ہے اس کا کھولنا تو جائز ہے باقی سر اور بازو کھولنا ناجائز ہے۔

۱۲۔ مسئلہ: نامحرم مرد و عورت میں باہم ہمکلامی بھی بلا ضرورت ممنوع ہے اور ضرورت میں بھی فضول باتیں نہ کرے، نہ ہنسے نہ مذاق کی کوئی بات کرے، نہ اپنے لہجہ کو کم کر کے گفتگو کرے۔

۱۳۔ مسئلہ: گانے کی آواز مرد کی عورت کو یا عورت کی مرد کو سننا دونوں ممنوع ہیں۔ اس سے معلوم ہوا یہ جو بعض جگہ عادت ہے کہ بعضے رکی واعظ مناجات یا قصیدہ آواز بنا کر عورتوں کو سناتے ہیں، یہ بہت برا ہے

۱۴۔ فقہاء نے نامحرم جوان عورت کو سلام کرنے یا سلام لینے سے منع کیا ہے۔

۱۵۔ مسئلہ: مرد کا جھوٹا کھانا پینا نامحرمہ کو اور عورت کا جھوٹا نامحرم مرد کو جب کہ

(۱) دائی ۱۲

احتمال التذاذ کا ہو مکروہ ہے۔

۱۶۔ مسئلہ: اگر نامحرم کا لباس وغیرہ دیکھ کر طبیعت میں میلان پیدا ہوتا ہو، اس کو بھی دیکھنا حرام ہے۔

۱۷۔ مسئلہ: جو لڑکی نابالغ ہو مگر اس کی طرف مرد کو رغبت ہوتی ہو اس کا حکم مثل عورت بالغہ(۱) کے ہے۔

۱۸۔ مسئلہ: جس طرح بری نیت سے نامحرم کی طرف نظر کرنا، اس کی آواز سننا، اس سے بولنا، اس کو چھونا حرام ہے، اسی طرح اس کا خیال دل میں جمانا اور اس سے لذت لینا بھی حرام ہے اور یہ قلب کا زنا ہے۔

۱۹۔ مسئلہ: اسی طرح نامحرم کا ذکر کرنا یا ذکر سننا یا اس کا فوٹو دیکھنا یا اس سے خط و کتابت کرنا، غرض جس ذریعہ سے خیالات فاسد پیدا ہوتے ہوں یہ سب حرام ہیں۔

۲۰۔ مسئلہ: جس طرح مرد کو اجازت نہیں کہ نامحرم عورت کو بلا ضرورت دیکھے بھالے، اسی طرح عورت کو بھی جائز نہیں کہ بلا ضرورت نامحرم کو جھانکے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ یہ جو عورتوں کی عادت ہے کہ دولہا کو یا برات کو جھانک جھانک کر دیکھتی ہیں یہ بری بات ہے۔

۲۱۔ مسئلہ: ایسا باریک کپڑا پہننا جس میں بدن جھلکتا ہو، مثل برہنہ ہونے کے ہے۔ حدیث میں ایسے کپڑے کی مذمت آئی ہے۔

۲۲۔ مسئلہ: مرد کو غیر عورت سے بدن دبوانا جائز نہیں۔

۲۳۔ مسئلہ: بجتا ہوا زیور جس کی آواز نامحرم کے کان میں جائے یا ایسی خوشبو جس کی مہک غیر محرم کے دماغ تک پہنچے، استعمال کرنا عورتوں کو جائز نہیں...... یہ بھی بے پردگی میں داخل ہے اور جو زیور خود بجتا ہو، مگر دوسری چیز سے لگ کر آواز دیتا ہو، ایسے زیور میں یہ احتیاط واجب ہے کہ پاؤں زمین پر آہستہ رکھے تاکہ افشانہ ہو۔

---

(۱) یعنی پردہ کرے۔۱۲

۲۴۔ مسئلہ: چھوٹی لڑکی کو بھی بجتا زیور نہ پہنائے۔

۲۵۔ مسئلہ: پیر بھی اگر نامحرم ہو تو مثل دوسرے نامحرم مردوں کے ہے، اس کے روبرو بلا حجاب آ جانا برا ہے، البتہ اگر وہ بہت بوڑھا ہو مریدنی بہت بڑھیا ہو تو صرف چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں ٹخنے سے نیچے کھول دینا جائز ہے، مگر باقی اعضاء دکھلانا یا تنہائی میں اس کے پاس بیٹھنا جائز نہیں۔

۲۶۔ مسئلہ: جس عضو کو حیات میں دیکھنا جائز نہیں، بعد موت کے بھی جائز نہیں، اور اسی طرح بدن سے جدا ہونے کے وقت بھی جائز نہیں۔ اسی طرح زیر ناف بالوں کو یا عورت کے سر کے بالوں کو بھی اترنے یا ٹوٹنے کے بعد دیکھنا مرد کو جائز نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورتیں جو کنگھی کر کے بالوں کو ویسے ہی پھینک دیتی ہیں کہ عام طور سے سب کی نگاہ سے گزرتے ہیں، یہ جائز نہیں۔

۲۷۔ مسئلہ: ہیجڑا یا خواجہ سرا یا عنین سب کا حکم مثل نامحرم مرد کے ہے۔ اسی کی احتیاط ان سے لازم ہے۔

۲۸۔ مسئلہ: امرد یعنی بے ریش لڑکا بعض احکام میں اجنبی عورت کے ہے۔ یعنی وقت اندیشہ شہوت کے اس کی طرف دیکھنا، اس سے مصافحہ یا معانقہ کرنا، اس کے پاس تنہائی میں بیٹھنا، اس کا گانا سننا یا اس کے موجود ہوتے ہوئے گانا سننا یا اس سے بدن دبوانا اس سے بہت پیار واخلاص کی باتیں کرنا، یہ سب حرام ہے۔

۲۹۔ مسئلہ: عورتوں کو پردہ کی وجہ سے سفر میں نماز قضا کرنا جائز نہیں، اور نہ بیل گاڑی میں بیٹھے بیٹھے نماز پڑھنا واجب ہے۔ بلکہ برقعہ یا چادر پہن کر نیچے اتر کر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا واجب ہے۔ برقعہ کا پردہ ایسے وقت پر کافی ہے۔

۳۰۔ مسئلہ: سفر میں اگر کوئی مرد محرم ہمراہ نہ ہو تو عورت کو سفر کرنا حرام(۱) ہے۔

۳۱۔ مسئلہ: عورت کو مساجد یا مقابر پر جانا مکروہ ہے۔ البتہ بہت بڑھیا کو مسجد

(۱) اگرچہ حج کا ہی سفر کیوں نہ ہو، یعنی بغیر محرم کے حج کا سفر بھی تنہا صحیح نہیں ہے۔

میں حاضر ہونا جائز ہے۔

۳۴۔ مسئلہ: بعضے لوگ جوان لڑکیوں کو اندھے یا بینا مردوں سے پڑھواتے ہیں، یہ بالکل خلاف شریعت ہے۔

ساتویں فصل

منجملہ ان رسوم کے بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی کو عار سمجھنا ہے۔ جس میں مسلمانان ہند اور شرفاء خصوصاً مبتلا ہیں۔ شرعاً وعقلاً جیسا نکاح اول ویسا نکاح ثانی۔ دونوں میں فرق سمجھنا محض بے وجہ ہے۔ صرف کفار ہند کے اختلاط سے اور کچھ جائیداد کی محبت سے یہ خیال فاسد جم گیا ہے جس کو بناء الفاسد کہنا زیبا ہے۔ مقتضائے ایمان اور عقل یہ ہے کہ جس طرح نکاح اول بے روک ٹوک کر دیتے ہیں اسی طرح نکاح ثانی بھی کر دیا کریں۔

اگر نکاح ثانی سے دل تنگ ہوتا ہے تو نکاح اول سے کیوں نہیں ہوتا، بلکہ اس کو عیب سمجھنے میں خوف کفر ہے کہ حکم شرعی کو باعث توہین وتحقیر سمجھتا ہے۔ ترویج نکاح ثانی میں کیوں کوشش کرتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ بعض حالات میں نکاح ثانی بھی مثل نکاح اول کے فرض ہے۔ مثلاً عورت جوان ہے، قرائن سے طبیعت میں تقاضا معلوم ہوتا ہے۔

تجرد میں اندیشہ فساد ہے یا نان ونفقہ کی تنگی ہے اور افلاس میں آبرو اور دین کے ضائع ہونے کا احتمال ہے تو بے شک ایسی عورت کا نکاح ثانی کرنا فرض ہوگا، اور اگر ایسی نہ بھی ہو تب بھی چونکہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ جس عمل سے دل میں تنگی اور انقباض پیدا ہوتا ہے اور اس کو موجب عار وننگ سمجھنے لگے ہیں، تاوقتیکہ اس عمل کو عام طور پر شائع نہ کیا جائے وہ تنگی دل سے نہیں نکلتی۔

اس لئے اصل مقصود علماء کا تو یہی ہے کہ اس کو عیب نہ سمجھیں مگر چونکہ یہ موقوف ہے اس کے عمل میں لانے پر اس لئے ترویج عملی میں کوشش کرنا ضروری جانتے ہیں اور واقع میں بھی ضروری ہے۔

آٹھویں فصل

منجملہ ان رسوم کے طالب علموں کا بڑے بڑے عہدوں کو حاصل کرنے کے لئے باوجود ضائع ہونے دین کے انگریزی پڑھنا یا معقول وفلسفہ میں دینیات سے زیادہ توغل (۱) وانہماک (۲) کرنا ہے۔ چونکہ ان دونوں چیزوں کا ضرر ہونا تجربہ ومشاہدہ سے ثابت ہو چکا ہے، اس لئے داخل وعید قرآنی ہو کر واجب المنع ٹھہریں گے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَیَتَعَلَّمُوْنَ مَالَایَضُرُّھُمْ وَلَایَنْفَعُھُمْ۔

ہر چند کہ محصلان انگریزی یہ کہتے ہیں کہ انگریزی ایک زبان ہے، اس میں کیا برائی ہے مگر یہ نہیں سمجھتے کہ اس سے غایت مافی الباب خود اس کی اباحت ذاتی ثابت ہوتی ہے اور بس۔ لیکن مباح جب ذریعہ معصیت کا ہو جائے یا بہ نیت ارتکاب معصیت کے اس کو اختیار کیا جائے تب تو مباح معصیت ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

چلنا فی نفسہ مباح ہے، مگر جب بہ نیت چوری کرنے کے چلے عقلاً ونقلاً اس وقت یہ چلنا ضرور حرام ہو جائے گا، اور ظاہر ہے کہ یہ جو بڑے بڑے پاس حاصل کئے جاتے ہیں ان سے بجز اس کے کہ بڑے بڑے عہدے اور منصب جو بالکل خلاف شرع ہیں حاصل کئے جائیں، اور کوئی بھی غرض نہیں۔ جب وہ معصیت ہیں تو کوئی بھی زبان جب اس کا ذریعہ بنایا جائے کیونکر معصیت نہ ہوگی۔ تو اگر اس میں اور مفاسد بھی نہ ہوتے جو کہ غالب الوقوع ہیں، جیسے کہ دین کی پرواہ نہ رہنا، عقائد میں

(۱) مشغول رہنا۔ (۲) کسی کام میں انتہائی کوشش کرنا۔

فساد آجانا، نخوت وترفع (۱) وتکبر وطول امل کا پیدا ہوجانا وغیرہ وغیرہ، اور دینیات کا ہر طرح سے پابند رہنا اور علم وعمل دونوں درست رہتے ہیں، تب بھی بوجہ نیت مذکورہ کے اس کی تحصیل حرام ہوتی ہے اور جب سب جمع ہوجائیں تب تو کچھ پوچھنا ہی نہیں۔

البتہ اگر اپنی کارروائی روزمرہ کے لئے پڑھے یا ضرورت دینیہ کے لئے پڑھے اس وقت یہ وجہ حرمت کی نہ رہے گی، مگر اس میں کسی پاس وغیرہ حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف استعداد کافی ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا دعویٰ کرے تو اس کے صدق وکذب کا معیار وامتحان یہی ہے کہ اگر پاس حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے تو سچا ہے ورنہ جھوٹا۔

اسی طرح معقولات کے توغل سے اکثر فساد عقیدہ اور نخوت وکبر وعدم مبالاۃ فی الدین وغیرہ یہ خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اس عارض کی وجہ سے کہ مشل لازم ہے وہ بھی حرام ہوگا۔ اگر یہ امور بھی نہ ہوں تو اکثر نیت اس کی تحصیل مباہات (۲) وحصول جاہ ہوا کرتا ہے کہ کوئی شخص ناقص التحصیل سمجھ کر حقیر نہ جانے تو اس حالت میں ذریعہ معصیت ہونے سے معصیت ہوجائے گا، البتہ اگر ان سب غوائل سے پاک ہو تو مضائقہ نہیں، مگر قدر ضروری پر اکتفا کرنا واجب ہوگا۔

نویں فصل

منجملہ ان رسوم کے بعض مصنفین اور اہل مطابع کا حق تالیف یا تحشیہ بیچنا یا خریدنا اور رجسٹری کرانا ہے۔ چونکہ حق محض شرعاً مملوک نہیں، جیسا کہ اہل حدیث وفقہ پر ظاہر ہے۔

اس لئے اس میں کوئی تصرف مالکانہ کرنا اور دوسروں کو اس سے منتفع (۳) ہونے

(۱) بڑائی کا جذبہ۔ (۲) فخر ۱۲۔ (۳) نفع اٹھانے سے ۱۲

سے روکنا، سب حرام اور معصیت ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ مت کھاؤ اپنے مالوں کو اپنے آپس میں غیر مشروع طریقہ سے۔

دسویں فصل

منجملہ ان رسوم کے اکثر تاجروں اور ثقہ لوگوں کا بلکہ بعض اہل علم و اہل فقر کا کھیل تماشوں کے مجمع میں تفریح کے لئے چلا جانا ہے۔ مثلاً گھوڑ دوڑ، اکھاڑہ، کشتی، نمائش گاہ و میلہ ہنود یا تھیٹر وغیرہ چونکہ ایسے مجمعوں میں اکثر امور خلاف شرع واقع ہوتے ہیں۔

ڈھول نقارہ وغیرہ سے خالی نہیں ہوتے، بازاری عورتوں کی آمد و رفت سے پاک نہیں ہوتے، گھوڑ دوڑ میں قمار بھی ہوتا ہے۔ کشتی میں گھٹنا، ران پہلوانوں کے کھلے ہوتے ہیں۔ میلہ کفار میں تو کفریات کا اجتماع محتاج بیان نہیں۔ اس لئے ایسے مجمعوں میں جانا معاصی و کفریات کی تائید اور ترویج کرنا اور مجمع فسق و کفر بڑھانا ہے۔

حدیث میں ہے کہ جو شخص بڑھائے مجمع کسی قوم کا وہ انہیں میں سے ہے۔ حتیٰ کہ رسول مقبول ﷺ نے صحابہؓ کو لب سڑک بیٹھک مقرر کرنے سے منع فرمایا تھا۔ کیونکہ ایسے مواقع میں آدمی معصیت سے بچ نہیں سکتا۔

اسی طرح قرب قیامت میں ایک لشکر کے دھنسنے کی حضور ﷺ نے خبر سنائی جو خانہ کعبہ کی اہانت کے لئے آتا ہوگا۔ حضرت ام سلمہؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ان میں تو دوکان دار لوگ بھی ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت سب دھنس جائیں گے۔

تاجرو! شاید تم ضرورت کا عذر کرو۔ تو یہ حدیث سن لو اور اللہ خیر الرازقین آیت قرآنی پڑھ کر اپنی تسلی کر لو۔

تیسرا باب

پہلی فصل

منجملہ ان رسوم کے مولود شریف کی محفل ہے، اس کی تین صورتیں ہیں اور ہر ایک کا جدا حکم ہے۔

پہلی صورت

محفل جس میں قیود مروجہ متعارفہ میں سے کوئی قید نہ ہو نہ قید مباح نہ قید مکروہ سب قیود سے مطلق ہو۔ مثلاً کچھ لوگ اتفاقاً جمع ہو گئے۔ کسی نے ان کو اہتمام کر کے نہیں بلایا یا کسی اور مباح ضرورت سے بلائے گئے تھے۔ اس مجمع میں خواہ کتاب سے یا زبانی حضور پر نور سرور عالم فخر بنی آدم ﷺ کے حالات ولادت شریفہ و دیگر اخلاق و شمائل و معجزات و فضائل مبارک صحیح صحیح روایات سے بیان کر دیا گیا، اور اثنائے بیان میں اگر ضرورت امر بالمعروف و بیان احکام کی دیکھی جائے تو اس میں بھی دریغ نہیں کیا گیا یا اصل میں اجتماع استماع وعظ و احکام کے لئے ہو اس کے ضمن میں ان وقائع شریفہ و فضائل کا بیان بھی آ گیا۔ یہ وہ صورت ہے کہ بلا نکیر جائز بلکہ مستحب و سنت ہے۔ رسول مقبول ﷺ نے اپنے حالات و کمالات اسی طریق سے بیان فرمائے ہیں،

اور آگے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان کو روایت کیا، جس کا سلسلہ محدثین میں آج تک بفضلہ تعالیٰ جاری ہے اور تابقائے دین رہے گا۔

دوسری صورت

وہ محفل جس میں قیود غیر مشروعہ موجود ہوں، جو کہ اپنی ذات میں بھی قبیح و معصیت ہیں۔ مثلاً: روایات موضوعہ خلاف واقعہ بیان کی جائیں۔ یا خوشرو، خوش الحان لڑکے اس میں غزل خوانی کریں یا رشوت یا سود وغیرہ کا حرام مال اس میں خرچ کیا جائے یا حد ضرورت سے زیادہ اس میں روشنی فرش وآرائش مکان وغیرہ کا تکلف کیا جائے، یا لوگوں کو جمع کرنے کا اہتمام بہت مبالغہ سے کیا جائے کہ اس قدر اہتمام نماز و جماعت و وعظ کے لئے بھی نہ ہوتا ہو یا نثر و نظم میں حضرت حق تعالیٰ شانہ یا حضرات انبیاء علیہم السلام کی توہین و گستاخی صراحۃً یا اشارۃً کی جائے یا اس مجمع میں جانے سے نماز یا جماعت فوت ہو جائے، یا وقت تنگ ہو جائے یا اس کا قوی احتمال ہو، یا بانی مجلس کی نیت شہرت و تفاخر کی ہو، یا رسول مقبول ﷺ کو وہاں حاضر و ناظر جانا جائے یا کوئی اور امر اسی قسم کا خلاف شرع اس میں پایا جائے۔ یہ وہ صورت ہے جو اکثر عوام و جہلاء میں شائع و ذائع ہے اور شرعاً بالکل ناجائز و گناہ ہے۔

ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس شخص نے جھوٹ بولا مجھ پر جان کر پس اس کو اپنا ٹھکانہ دوزخ میں ڈھونڈ لینا چاہئے اور ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے آدمی کو جھوٹ بولنے کے لئے یہ کافی ہے کہ جو سنا کرے اس کو بیان کر دیا کرے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ روایات کو بیان کرنے میں بڑی احتیاط کرنا چاہئے، بدون علم و تحقیق کے بیان کرنا گناہ ہے۔ خصوصاً رسول اللہ ﷺ کی طرف کسی

غلط امر کو منسوب کرنا سخت ہی وبال ہے اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ گانا جماتا ہے نفاق کو قلب میں جس طرح جماتا ہے پانی زراعت کو۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے۔ اس حدیث سے گانے کی مذمت معلوم ہوئی۔ بالخصوص جہاں احتمال فتنہ کا ہو، جیسے کہ خوشرو عورت کا گانا۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے، نہیں قبول کرتا مگر پاک حلال مال کو، اور اسی روایت میں ہے کہ ایک شخص بڑا سفر دراز کرے اور اس کے بال بھی پریشان ہیں اور بدن ولباس بھی میلا ہے، اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بڑھا بڑھا کر یارب یارب کرتا ہے (یعنی تمام سامان قبولیت دعا کے بظاہر مجتمع ہیں) مگر ساتھ ہی اس کے یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام اور پانی حرام اور لباس حرام اور حرام ہی سے غذا دی گئی۔ پس ایسے شخص کی دعا کب قبول ہو۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کیسے خلوص سے کوئی عبادت کرے مگر حرام مال سے سب اکارت ہو جاتا ہے بلکہ حرام مال لگانے کا گناہ اس کے اوپر جو رہتا ہے وہ جدا۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ تم اسراف مت کرو اور فرمایا کہ بے شک فضول اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر گذار ہے۔ جس صرفہ میں کوئی مشروع غرض نہ ہو، وہ سب اس میں داخل ہو گیا۔ خواہ روشنی ہو یا اور تکلفات ہوں، لباس ووضع غیر مشروع کے باب میں جو حدیثیں آئی ہیں باب اول میں مذکور ہو چکی ہیں، حاجت اعادہ کی نہیں۔

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ قسم اس ذات کی کہ جان میری اس کے قبضہ میں ہے کہ تم لوگ یا تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے رہو نہیں تو عنقریب بھیجے گا اللہ تعالیٰ عذاب تم پر اپنے پاس سے پھر تمہاری یہ حالت مردودیت کی ہو جائے گی کہ تم اس سے دعا کرو گے اور قبول نہ ہوگی۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کسی ختنہ میں بلائے گئے، آپ نے انکار فرمادیا، کسی نے وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا کہ پیغمبر خدا ﷺ کے زمانہ مبارک میں ہم لوگ ختنہ میں نہیں جاتے تھے، اور نہ اس کے لئے بلائے جاتے تھے۔ روایت کیا اس کو احمد نے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کام کے لئے لوگوں کو بلانا سنت سے ثابت نہیں، اس کے لئے بلانے کو صحابیؓ نے ناپسند فرمایا اور جانے سے انکار کیا۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ بلانا دلیل ہے اہتمام کی تو شریعت نے جس امر کا اہتمام نہیں کیا، اس کا اہتمام کرنا دین میں ایجاد کرنا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابن عمرؓ نے لوگوں کو جب مسجد میں چاشت کی نماز کے لئے مجتمع دیکھا تو براہ انکار اس کو بدعت فرمایا اور اسی بناء پر فقہاء نے جماعت نافلہ کو مکروہ کہا ہے اور حضرت حق تعالیٰ اور انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام کی گستاخی کا مذموم و کفر ہونا محتاج بیان نہیں۔ کون مسلمان اس کا منکر ہے، گو بہت سے جاہل شاعر اس میں مبتلا ہیں۔ نہ ایسے اشعار کا تصنیف کرنا جائز نہ ان کا پڑھنا، سننا جائز، اسی طرح نماز باجماعت یا وقت کا ضائع کرنا ظاہر ہے کہ حرام ہے، اور جو ذریعہ گناہ کا ہو وہ بھی گناہ ہوتا ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں عشاء کے بعد باتیں کرنے سے ممانعت آئی ہے اور اس کی وجہ شراح حدیث نے یہی لکھی ہے کہ اس سے صبح یا تہجد کی نماز میں خلل پڑے گا۔ اسی طرح نمائش اور فخر کا حرام ہونا سب جانتے ہیں اور ذریعہ حرام کا حرام ہی ہوتا ہے۔

حدیث میں ہے جو شخص شہرت کا کپڑا پہنے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا اور حدیث میں ہے کہ تھوڑا سا ریاء بھی شرک ہے اور حاضر ناظر ہونا موقوف ہے علم وقدرت پر چونکہ حق تعالیٰ کا علم وقدرت دونوں کامل ہیں۔ اس لئے وہ ہر زمان و مکان میں حاضر و ناظر ہیں۔ یہ اعتقاد حضور سرور عالم ﷺ کے ساتھ یا انبیاء اور اولیاء کے ساتھ کرنا اگر اس بناء پر ہے کہ آپ کے لئے علم وقدرت ذاتی ثابت کرتا ہے جیسا کہ بعض جہلاء کا عقیدہ ہے تب تو یہ شرک ہے۔ گو اللہ تعالیٰ

سے کم ہی سمجھتا ہو۔ کیونکہ مشرکین عرب بہ نص قرآن مشرک ہیں اور یہ بھی قرآن ہی سے ثابت ہے کہ وہ اپنے دیوتاؤں کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں سمجھتے تھے، اور اگر یوں جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اطلاع اور اذن دیتا ہے، تو شرک تو نہیں ہے مگر بلا حجت شرعیہ گناہ ضرور ہے۔ اس لئے کہ جھوٹ سب جانتے ہیں کہ حرام ہے اور جھوٹ جیسا زبان سے ہوتا ہے دل سے بھی ہوتا ہے۔ مگر اصل تو دل ہی میں ہوتا ہے، وہاں سے زبان پر آتا ہے۔ حتیٰ کہ بدگمانی کہ محض فعل قلب ہے۔ اس کی نسبت حق تعالیٰ نے ان بعض الظن اثم فرمایا ہے اور حدیث میں فان الظن اکذب الحدیث آیا ہے۔

غرض کہ ان امور ناجائز سے وہ مجلس بھی ناجائز ہو جاتی ہے اور اس میں شرکت درست نہیں ہوتی۔ اور آج کل اکثر ایسی ہی مجلسیں ہوتی ہیں کہ ان میں اگر کل امور ناجائز نہیں ہوتے تو بعض تو غالباً ضرور ہوتے ہیں اور مجلس کے ناجائز ہونے کے لئے ایک ناجائز بھی کافی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

تیسری صورت

وہ محفل جس میں نہ تو پہلی صورت کا سا اطلاق و بے تکلفی ہو اور نہ دوسری صورت کی طرح اس میں قیود حرام ہوں، بلکہ قیود تو ہوں مگر ایسے قیود ہوں جو خود اپنی ذات میں مباح و حلال ہیں۔ یعنی روایات بھی صحیح و معتبر ہوں، بیان کرنے والا بھی ثقہ دیندار ہو، اور محل شہوت بھی نہ ہو، مال بھی اس میں حلال وطیب صرف کیا جائے، آرائش وزیبائش بھی حد اسراف تک نہ ہو، حاضرین محفل کا لباس ووضع موافق شرع کے ہو اور جو اتفاقاً کوئی خلاف شرع ہیئت سے حاضر ہو جائے تو بیان کرنے والا بشرط قدرت امر بالمعروف سے دریغ نہ کرے۔ اسی طرح حسب موقع اور ضروری احکام بھی بیان کرتا جائے، اگر کچھ نظم ہو تو قواعد موسیقی سے نہ ہو، مضمون اس کا حد شرع سے

متجاوز نہ ہو، لوگوں کو بلانے اور اطلاع کرنے میں مبالغہ نہ ہو، کسی ضروری عبادت میں اس مجمع میں حاضر ہونے سے خلل نہ پڑے، بانی کی نیت بھی خالص ہو، محض امید برکت ومحبت سرورِ عالم ﷺ اس کا باعث ہو، اور اگر صیغہ ندا کسی کلام میں ہو تو قرائن قویہ سے اعتماد کامل ہو کہ حاضرین کم فہم نہیں جو آپ ﷺ کو حاضر وناظر وعالم الغیب سمجھیں گے اور بھی جمع منکرات سے پاک ہو۔ مگر اس میں یہ امور بھی ہیں، شیرینی و قیام وفرش ومنبر وبخور وعطر اور مثل اس کے جو اپنی ذات میں خلاف شرع نہیں۔ یہ وہ محفل ہے جو نہایت احتیاط والوں میں شاید کہیں شاذ ونادر پائی جاتی ہو۔ پس ایسی محفل نہ تو پہلی محفل کی طرح علی الاطلاق جائز ہے اور نہ دوسری محفل کی طرح علی الاطلاق ناجائز اور جائز ہونے میں تفصیل ہے جو عنقریب معروض ہوتی ہے۔ مگر قبل بیان اس میں تفصیل کے چند قواعد شرعیہ معروض ہوتے ہیں جو فہم (۱) تفصیل کے سمجھنے میں معین ہوں گے۔

قاعدہ اول

کسی امر غیر ضروری کو اپنے عقیدہ میں ضروری اور مؤکد سمجھ لینا یا عمل میں اس کی پابندی اصرار کے ساتھ اس طرح کرنا کہ فرائض وواجبات کی مثل یا زیادہ اس کا اہتمام ہو اور اس کے ترک کو مذموم اور تارک کو قابل ملامت وشناعت جانتا ہو، یہ دونوں امر ممنوع ہیں۔ کیونکہ اس میں حکم شرعی کو توڑ دینا ہے۔ تقیید وتعیین وتخصیص والتزام و تحدید وغیرہ اسی قاعدہ اور مسئلہ کے عنوانات وتعبیرات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص تجاوز کرے گا اللہ تعالیٰ کی حدود سے پس ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ تم میں ہر شخص کو لازم ہے کہ اپنی نماز

(۱) تفصیل کے سمجھنے میں مددگار ہوں گے۔۱۲

میں شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے، وہ یہ کہ نماز کے بعد داہنی طرف سے پھرنے کو ضروری سمجھنے لگے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بسا اوقات بائیں جانب سے بھی پھرتے دیکھا ہے۔ روایت کیا ہے اس کو بخاری و مسلم نے۔ قطبی شارح مشکوٰۃ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ بات نکلی ہے کہ جو شخص کسی امر مستحب پر اصرار کرے اور عزیمۃ اور ضروری قرار دے لے اور کبھی رخصت پر یعنی اس کی دوسری مقابل پر عمل نہ کرے تو ایسے شخص سے شیطان اپنا حصہ گمراہ کرنے کا حاصل کر لیتا ہے۔ پھر ایسے شخص کا تو کیا کہنا ہے جو کسی بدعت یا امر منکر یعنی خلاف شرع عقیدہ یا عمل پر اصرار کرتا ہو۔ صاحب مجمع نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے یہ بات نکلی کہ امر مندوب بھی مکروہ ہو جاتا ہے۔ اگر یہ اندیشہ ہو کہ یہ اپنے رتبہ سے بڑھ جائے گا۔ اسی بناء پر فقہاء حنفیہ نے نمازوں میں سورت مقرر کرنے کو مکروہ فرمایا ہے۔ خواہ اعتقاداً پابندی ہو، یا عملاً۔ فتح القدیر نے اس تعلیم کی تصریح کر دی ہے اور مسلم میں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ مت خاص کرو شب جمعہ کو شب بے داری کے ساتھ، اور شبوں میں سے اور مت خاص کرو یوم جمعہ کو روزہ کے ساتھ اور ایام میں سے، ہاں اگر اس کے کسی معمولی روزہ میں جمعہ آ ہی پڑے تو وہ اور بات ہے۔

قاعدۂ دوم

فعل مباح بلکہ مستحب بھی کبھی امر غیر مشروع کے مل جانے سے غیر مشروع و ممنوع ہو جاتا ہے۔ جیسے دعوت میں جانا مستحب بلکہ سنت ہے۔ لیکن وہاں اگر کوئی امر خلاف شرع ہو، اس وقت جانا ممنوع ہو جائے گا۔ جیسے احادیث میں آیا ہے اور ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہے، اور اسی طرح نفل پڑھنا مستحب ہے مگر اوقات مکروہ میں ممنوع و گناہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امر مشروع بوجہ اقتران و انضمام غیر مشروع کے غیر

مشروع ہو جاتا ہے۔

قاعدۂ سوم

چونکہ دوسرے مسلمانوں کو ضرر سے بچانا فرض ہے اس لئے اگر خواص کے کسی غیر ضروری فعل سے عوام کے عقیدہ میں خرابی پیدا ہوتی ہو تو وہ فعل خواص کے حق میں بھی مکروہ و ممنوع ہو جاتا ہے۔ خواص کو چاہئے کہ وہ فعل ترک کر دیں۔

حدیث شریف میں قصہ آیا ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے حطیم کو بیت اللہ کے اندر داخل فرمانے کا ارادہ کیا، مگر اس خیال سے کہ جدید الاسلام (۱) لوگوں کے عقیدہ میں فتور اور قلوب میں خلجان پیدا ہوگا اور خود بنا کے اندر داخل ہونا کوئی امر ضروری تھا نہیں۔ اس لئے آپ نے اس قصہ کو ملتوی فرما دیا اور تصریحاً یہی وجہ ارشاد فرمائی۔ حالانکہ بناء کے اندر داخل فرما دینا مستحسن تھا۔ مگر ضرر عوام کے اندیشہ سے اس امر مستحسن کو ترک فرمایا اور ابن ماجہ میں حضرت ابوعبداللہ کا قول ہے کہ اہل میت کو اول روز طعام دینا سنت تھا، مگر جب لوگ اس کو رسم سمجھنے لگے پس متروک و ممنوع ہو گیا۔ دیکھئے خواص نے بھی عوام کے دین کی حفاظت کے لئے اس کو ترک کر دیا۔

حدیثوں میں سجدۂ شکر کا فعل مباح ہے۔ مگر فقہاء حنفیہ نے حسب قول علامہ شامیؒ اس لئے مکروہ کہا ہے کہ کہیں عوام اس کو سنت مقصودہ نہ سمجھنے لگیں اور عالمگیری میں ہے کہ یہ لوگ نمازوں کے بعد کیا کرتے ہیں، مکروہ ہے۔ اس لئے کہ جاہل لوگ اس کو سنت اور واجب سمجھنے لگیں گے اور جس فعل مباح سے یہ نوبت آ جائے وہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر وہ خود شرعاً ضروری ہے تو اس فعل کو ترک نہ کریں گے، اس میں جو مفاسد پیدا ہو گئے ہیں ان کی اصلاح کر دی جائے گی۔ مثلاً جنازہ کے ساتھ کوئی نوحہ

(۱) نو مسلم۔۱۲

کرنے والی عورت ہو تو اس امر مکروہ کے اقتران سے جنازہ کے ہمراہ جانا ترک نہ کریں گے، خود اس نوحہ کو منع کریں گے، کیونکہ وہ ضروری امر ہے۔ اس عارضی کراہت سے اس کو ترک نہ کیا جائے۔ بخلاف قبول دعوت کے کہ وہاں امر مکروہ کے اقتران سے خود دعوت کو ترک کرنا ہے کیونکہ وہ ضروری امر نہیں۔ علامہ شامی نے ان مسئلوں میں بھی فرق کیا ہے۔

قاعدۂ چہارم

جس امر میں کراہت عارضی ہو اختلاف ازمنہ و امکنہ و اختلاف تجربہ و مشاہدہ اہل فتویٰ سے اس کا مختلف حکم ہو سکتا ہے۔ یعنی یہ ممکن ہے کہ ایسے امر کو ایک زمانہ میں جائز کیا جائے کیونکہ اس وقت اس میں وجوہ کراہت کی نہیں تھی اور دوسرے زمانہ میں ناجائز کہہ دیا جائے۔ اس لئے اس وقت علت کراہت کی پیدا ہوگئی یا ایک مقام پر اجازت دی جائے۔ دوسرے ملک میں منع کر دیا جائے۔ اس فرق مذکور کے سبب یا ایک وقت اور ایک موقع پر ایک مفتی جائز کہے اور اس کو اطلاع نہیں کہ عوام نے اس میں اعتقادی یا عملی خرابی کیا کیا پیدا کر دی ہیں۔ دوسرے مفتی ناجائز کہے کہ اس کو اپنے تجربہ اور مشاہدہ سے عوام کے مبتلا ہونے کا علم ہو گیا ہے تو واقع میں یہ اختلاف ظاہرہ ہے حقیقی نہیں۔ اور تعارض صوری ہے معنوی نہیں۔ حدیث وفقہ میں اس کے بے شمار نظائر مذکور ہیں۔

دیکھو رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو مساجد میں آ کر نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی۔ اس وقت فتنہ کا احتمال نہ تھا اور صحابہؓ نے بدلی ہوئی حالت دیکھ کر ممانعت فرمادی۔ اسی طرح امام صاحبؒ و صاحبینؒ کے بہت سے اختلافات اسی قبیل کے ہیں۔

قاعدۂ پنجم

اگر کسی امر خلاف شرع کرنے سے کچھ فائدہ اور مصلحتیں بھی ہوں جن کا حاصل کرنا شرعاً ضروری نہ ہو یا اس کے حاصل کرنے کے اور طریقے بھی ہوں اور ایسے فائدوں کے حاصل کرنے کی نیت سے وہ فعل کیا جائے، یا ان فائدوں سے مرتب دیکھ کر عوام کو اس سے نہ روکا جائے یہ بھی جائز نہیں۔ نیک نیت سے مباح تو عبادت بن جاتا ہے اور معصیت مباح نہیں ہوتی۔ خواہ اس میں ہزار مصلحتیں اور منفعتیں ہوں، نہ اس کا ارتکاب جائز نہ اس پر سکوت کرنا جائز، اور یہ قاعدہ بہت ہی بدیہی ہے۔

مثلاً اگر کوئی شخص اس نیت سے غصب وظلم کرے کہ مال جمع کر کے محتاجوں اور مسکینوں کی امداد کریں گے تو ہرگز ہرگز غصب وظلم جائز نہیں ہوسکتا۔ خواہ لاکھوں فائدے اس پر مرتب ہونے کی امید ہو۔ جب یہ قواعد اور مقدمات سمجھ میں آ گئے تو اب تیسری صورت کے جواز و ناجواز کی تفصیل سننا چاہئے۔ وہ یہ کہ یہ قیود مذکورہ چونکہ فی نفسہ امر مباح میں ہیں۔ اس لئے ان کی ذات میں کوئی خرابی نہیں نہ ان کی وجہ سے محفل میں کوئی دقت ان امور اور اس محفل کو اس عارض کی وجہ سے ممنوع و ناجائز کہا جائے گا اور اگر کسی قسم کی کوئی خرابی لازم نہ آئے تو وہ امور بھی بحال خود مباح رہیں گے۔

چنانچہ قاعدۂ دوم سے یہ حکم واضح ہے۔ اب دیکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ آیا ہمارے زمانہ میں اس مباحات کی وجہ سے کوئی خرابی لازم آ رہی ہے یا نہیں۔ اگر لازم آتی ہوئی دیکھو تو اس محفل کو منع سمجھو اور ناجائز، اور یہ امر تجربہ و مشاہدہ سے بخوبی بلاتردد معلوم ہوسکتا ہے۔ اس میں کوئی بحث و مباحثہ کی ضرورت نہیں، سو راقم کا جو کئی سال کا تجربہ ہے اس کی رو سے عرض کیا جاتا ہے کہ بلاشک اکثر بلکہ قریب قریب کل عوام ان

قیود کو مؤکد ضروری و لوازم مجلس سے جانتے ہیں اور مثل ضروریات دین کے بلکہ اس سے بدرجہا زیادہ ان کے ساتھ عملدرآمد کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے کرنے میں جس قدر اہتمام ہوتا ہے نماز جمعہ و جماعت میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں دیکھا جاتا اور ان کے ترک سے جس قدر ناگواری ہوتی ہے، فرائض و واجبات کے ترک سے ہرگز ہرگز نہیں ہوتی۔ بلکہ خود ترک کرنا تو بہت ہی بعید ہے۔ اگر کوئی دوسرا شخص انکار کرے تو درکنار، اگر ترک بھی کردے تو اس پر لعن طعن حد سے زیادہ ہوتا ہے۔ کفار و مبتدعین و فساق سے زیادہ اس کے مخالف اور آمادۂ ایذا رسانی و بدزبانی ہوجاتے ہیں۔ جب عوام نے اپنے اعتقاد و عمل سے ان امور کی یہاں تک نوبت پہنچادی کہ فرض واجب سے بھی زیادہ ان کی شان بڑھادی تو لاریب اس التزام و اصرار کی وجہ سے یہ امر مکروہ و ممنوع ہوجائیں گے۔ جیسا کہ قاعدہ اول میں ثابت ہوچکا ہے۔ جب یہ امور ممنوع ہوئے تو ان کے ملنے سے وہ محفل بھی غیر مشروع اور ممنوع ٹھہرے گی۔ جیسا کہ قاعدۂ دوم میں بیان کیا گیا اور گو کسی خاص فہیم شخص کا یہ عقیدہ فاسد نہ ہو اور وہ ان امور کو مؤکد نہ سمجھتا ہو اور نہ تارک کو قابل ملامت و نفرت جانتا ہو۔ گو اس وقت میں ایسے لوگ عنقا صفت ہیں لیکن فرضاً اگر کوئی ہو بھی تو غایت مافی الباب وہ اپنے فساد عقیدہ و عمل کے گناہ سے بچ گیا، مگر اس کے کرنے سے اگر دوسرے فاسد الاعتقاد و فساد العمل لوگوں کو سہارا لگا، ان کے فعل کو تقویت و تائید پہنچی تو ان کے فعل مکروہ کے ترویج و تائید کے الزام سے یہ شخص کیسے بچ سکے گا۔ جیسا کہ قاعدۂ سوم میں مذکور ہوچکا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جہاں یہ مفاسد مذکورہ نہ ہوں گو اس کی توقع عوام کی حالت پر نظر کرنے سے بہت ہی بعید ہے لیکن اگر فرضاً کسی وقت یا کسی موقع پر ایسا ہو تو وہاں اجازت دی جائے گی۔ مگر اس وقت اجازت کے فعل میں بھی ضرور ہوگا کہ ان قیود کو جس طرح عقیدۂ غیر مؤکد سمجھیں اسی طرح اپنے عمل سے بھی ان کا مؤکد نہ ہونا بار بار ظاہر کرتے رہیں۔

مثلاً کبھی شیرینی تقسیم کردیں کبھی نقد یا غلہ یا کپڑا مساکین کو خفیہ دے دیں اور کبھی جب گنجائش نہ ہو یا محض رخصت شرعی پر عمل کرنے کے لئے کچھ بھی نہ دیا کریں، کبھی اثنائے بیان فضائل وشمائل نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ میں اگر شوق و جذبہ غالب ہوجائے کھڑے ہوجائیں، پھر اس میں کسی خاص موقع کی تعین کی کوئی وجہ نہیں۔

جب کیفیت غالب ہو خواہ اول میں یا وسط میں یا آخر میں اور خواہ تمام بیان میں ایک بار یا دو بار یا چار بار اور جب یہ غلبہ نہ ہو بیٹھے رہا کریں، کبھی باوجود غلبہ کے اسی طرح ضبط کرکے بیٹھے رہیں اور نہ محفل مولود کی تخصیص کریں، اور اگر اور موقع پر بھی حضور ﷺ کے ذکر سے غلبہ وشوق ہو وہاں بھی گاہ گاہ کھڑے ہوجایا کریں۔ علیٰ ہٰذا القیاس سب قیود مباحہ کے ساتھ یہی عمل رکھیں تو اس طرح کی محفل گو سلف صالحین سے منقول نہیں۔ مگر بوجہ مخالف نہ ہونے قواعد شرعیہ کے ممنوع بھی نہ کہی جائے گی۔ یہ حکم ہے صورت سوم کا باعتبار فتویٰ کے۔ لیکن مصلحت انتظام دین کا مقتضا یہ ہے کہ اس سے بھی احتیاط رکھیں۔ کیونکہ یہ خود نہ تو ضروریات دین سے ہے، نہ کسی ضروریات دین کا موقوف علیہ ہے اور ایک بار یہی ہیئت اجتماعیہ مباحہ مفضی الی المفاسد ہو بھی چکی ہے۔ جیسا کہ پیش نظر ہے اور جہل روز بروز غالب ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے مرتبہ تقویٰ احتیاط ہی میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

اب بعض لوگوں کے کچھ شبہات کا مختصر جواب لکھا جاتا ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث شریف تو خود حضور سرور عالم ﷺ سے منقول ہے ورنہ ہم تک روایت کیونکر پہنچتی۔ جواب اس کا یہ ہے کہ جو منقول ہے وہ پہلی صورت ہے اور گفتگو صورت سوم میں ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ بڑے بڑے علماء مثل سیوطیؒ وابن حجرؒ و ملا علی قاریؒ وغیرہم نے اس کا اثبات کیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اول تو اس وقت بھی بعض علماء نے

ان کے ساتھ اختلاف کیا تھا اور قطع نظر اس سے یہ کہ ان کے زمانہ میں مفاسد مذکورہ پیدا نہ ہوئے تھے۔ اس وقت انہوں نے اثبات کیا۔ اب مفاسد پیدا ہو گئے ہیں، وہ حضرات بھی اگر اس زمانہ میں ہوتے اور ان مفاسد کو ملاحظہ فرماتے تو خود منع فرماتے۔ اس لئے اب نفی کی جاتی ہے۔ جیسا قاعدۂ چہارم میں لکھا گیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ علماء حرمین اس کے جواز پر اتفاق رکھتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ اول تو اتفاق غیر مسلم، پھر یہ کہ ان کے فتووں میں قیود مباحہ کوئی نفسہا جائز لکھا ہے، جس محفل کو جن عقائد و مفاسد کی وجہ سے ہم روک رہے ہیں ان مفاسد کا اظہار سوال میں کرنے کے بعد فتویٰ منگا دو، اس وقت تمہارا یہ شبہ معقول ہو سکتا ہے۔ جب فتویٰ آ جائے گا اس وقت جواب ہمارے ذمہ ہو گا۔

بعض کہتے ہیں کہ کثرت سے علماء جواز کی طرف ہیں۔ جواب یہ ہے کہ اول تو کسی نے دنیا بھر کی علماء شماری نہیں کی، دوسرے یہ کہ جس خرابی کی وجہ سے ممانعت کی جاتی ہے اس خرابی کو کون سے علماء کثیر بلکہ قلیل نے جائز کیا ہے۔ فتوے تو استفتاء کے تابع ہے۔ مستفتی اپنا عیب کب کھولتا ہے، بلکہ ہر طرح اپنی خوش اعتقادی کو جتلا کر پوچھتا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس بہانہ سے غریب غرباء کو خیر خیرات پہنچ جاتی ہے یا اس سے اسلام کی شوکت بڑھتی ہے، ناواقف لوگوں کے کان میں کچھ مسائل پڑ جاتے ہیں۔

سو اول تو خود یہ امر مسلم نہیں، اکثر جگہ امیروں کو حصہ بٹتا ہوا اور غریبوں کو دھکے ملتے ہوئے دیکھا جاتا ہے اور ایسے سامانوں سے جس کی خبر بعض اوقات محلہ میں بھی نہیں ہوتی کیا احتشام اسلام کا متصور ہے اور احکام کا ذکر بھی نہیں آتا اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو خیر خیرات اور احتشام (۱) اسلام اور تبلیغ احکام کے جب اور طریقے بھی

(۱) شکوہ وشان ۱۲

مشروع ہیں تو غیر مشروع طریقوں کے اختیار کرنے کی شرعاً کب اجازت ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ قاعدۂ پنجم میں مذکور ہوا اور بھی شبہات اس کے قریب ہیں۔ جن کا جواب بعد میں ضبط کر لینے اصول مذکورہ کا ہر عاقل سمجھ جا سکتا ہے۔ یہ کلام تھا اس مسئلہ مولود شریف میں جو بہت سلامت اور اختصار اور جامعیت کے ساتھ لکھنے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی۔

اب امید ہے کہ اہل انصاف کو اس مسئلہ میں شبہ نہ رہے گا اور افراط و تفریط سے سب باز آئیں گے اور علمائے مصلحین امت سے عداوت و بدگمانی اور ان کی شان میں اہانت و بدزبانی گوارا نہ رکھیں گے اور شب و روز محبت و اتباع سنت نبویہ ﷺ میں کوشش کریں گے۔ **اللھم ارزقنا حبک وحب نبیک و اتباع سنته و توفنا علی ملته و احشرنا فی زمرته**

دوسری فصل

منجملہ ان رسوم کے اولیاء اللہ کا عرس و فاتحہ مروجہ ہے جو کسی وقت میں بمصلحت ایصال ثواب بارواح بزرگان و استفادہ برکات اجتماع صلحاء شروع ہوا تھا۔ مگر اب اس میں بھی مثل دیگر امور کے بہت سے مفاسد پیدا ہو گئے۔ چنانچہ عرس میں تو یہ امور ہو گئے۔

ا۔ بعض جگہ تو خوب بازاری عورتوں کا ناچ ہوتا ہے جس کا حرام ہونا ظاہر ہے اور باب اول میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ خصوصاً قبور پر جب کہ وہ جگہ عبرت و تذکرہ موت و تذکرہ آخرت کی ہے۔ پھر خاص کر قبور اولیاء پر جن کو اپنی حیات میں بول و براز سے زیادہ معاصی سے نفرت تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسے مجمع میں جانا لاریب فسق و معصیت

ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ ہم تو بہ نیت زیارت جاتے ہیں ہم کو ان منکرات سے کیا ضرر۔ جواب یہ ہے کہ اول تو ممکن نہیں کہ مجمع فسق میں جائے اور ضرر نہ ہو، کچھ نہ کچھ میلان معصیت کی طرف یا چشم و گوش کا تلوث ضرور ہی ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ زیارت دوسرے وقت بھی ہو سکتی ہے۔ تیسرے زیارت کچھ فرائض و واجبات سے نہیں۔ فرض و واجب کے ادا کرنے میں اقتران معصیت پر نظر نہیں کی جاتی ہے اور مباح بلکہ مستحب میں اگر ایسا اتفاق ہو تو خود اس مستحب کو ترک کر دینا واجب ہے۔ جیسا کہ ابھی فصل اول کے قاعدۂ دوم میں ذکر ہو چکا ہے۔ پھر یہ کہ اس کی حرکت سے دوسروں کو ضرر ہوتا ہے اور اہل معصیت کے فعل کی تائید ہوتی ہے، اس وجہ سے بھی ان سے بچنا ضروری ہے۔ جیسا کہ فصل اول کے قاعدۂ سوم میں بیان ہو چکا ہے۔

۲۔ بعض جگہ بازاری عورتیں نہیں ہوتیں اور بجائے ان کے قوال اور معازف و مزامیر ہوتے ہیں۔ ایسے سماع کے متعلق اس عاجز نے ایک رسالہ حق السماع مفصل طور پر لکھا ہے۔ اس میں آداب و شرائط سماع کے اور جو جو اس میں مفاسد ہو گئے ہیں۔ ان سب کا ذکر بالتفصیل کیا ہے۔ جس سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس زمانہ کے مجالس سماع حسب اقوال ائمہ تصوف ہرگز ہرگز جائز نہیں۔

۳۔ بعض جگہ یہ قصہ بھی نہیں، صرف معین تاریخ پر اجتماع اور قرآن خوانی و تقسیم طعام یا شیرینی ہوتا ہے اور بس۔ اور ایسے عرس کو اس زمانہ میں مشروع عرس سمجھتے ہیں۔ مگر اس میں بھی وہی خرابی اصرار و تعین و التزام مالا یلزم وغیرہا کی یقیناً موجود ہیں۔ جس کی وجہ سے عوام کے عقائد بھی فاسد ہوتے ہیں اور بعض اوقات مہتمم عرس کو اس کے انجام دینے کے لئے قرض لینا خاص کر سودی اور لوگوں کے ہاتھ کو پڑتا ہے جس کا منشاء حرص و طمع ہے۔ ظاہر ہے کہ شرعاً اور عقلاً سخت مذموم ہے۔ حدیث میں اس دست نگری کی نسبت آیا ہے کہ وما(۱) لا فلاتبعه نفسک اور اصرار و التزام

(۱) جو چیز تمہارے ہاتھ نہ آئے اپنے جی کو اس کے پیچھے مت ڈالو۔ ۱۲

وغیرہ کا غیر مشروع ہونا فصل اول کے قاعدۂ اول میں بیان ہو چکا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ مجلس بھی غیر مشروع ہو جائے گی۔ جیسا قاعدۂ دوم میں بیان ہوا اور اس عذر کا جواب اسی فصل کے آغاز میں ہو چکا ہے کہ کوئی شخص کہنے لگے کہ ہماری نیت تو اچھی ہے ہم کو دوسروں کے عقیدۂ فاسد سے کیا بحث ہے۔ البتہ افادہ و استفادہ اہل قبور بطریق مشروع شریعت مستحسن ہے۔ اس کا طریق یہ ہے کہ گاہ گاہ ان مزارات پر حاضر ہوا کرے اور جو کچھ توفیق ہو بخش دے اور اپنی موت کو یاد کرے اور اگر صاحب نسبت ہے اور دل چاہے تو حسب طریقۂ معمولہ اہل تصوف ان سے استفادہ برکات کا کرے اور اگر عبادات مالیہ کا ان کو ثواب بخشنا ہو تو اپنے گھر پر حسب توفیق پکا کر کھلا کر یا نقد و غلہ وغیرہ مساکین کو خفیہ دے کر ان کی روح کو بخش دے۔ نہ تاریخ معین کرنے کی حاجت ہے اور نہ شہرت دینے کی، اسی طرح زمانہ عرس بلکہ غیر عرس میں اولیاء اللہ کے مزارات پر چادر ڈالتے ہیں جو مکروہ اور اسراف ہے اور عوام کا جو اس میں اعتقاد ہے وہ بالکل شرک ہے۔ پھر غضب یہ ہے کہ اس کی نذر و منت مانی جاتی ہے۔ بعض لوگ دور دراز سے سفر کر کے اپنے بچوں کا چلہ چھٹی وہاں کرتے ہیں اور یہ نذر پوری کرتے ہیں۔ بعضے آسیب اتروانے کے لئے آتے ہیں۔ بعضے وہاں چراغ روشن کرتے ہیں، قبریں پختہ بناتے ہیں۔ قرآن و حدیث سے صاف صاف ان سب امور سے توبہ کا حکم ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا رسول مقبول ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یہ حکم نہیں فرمایا کہ قبروں کو کپڑے پہنائے جائیں۔ اس سے قبروں پر غلاف ڈالنے کا ناپسند ہونا صاف ظاہر ہے۔

علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے یکرہ (۱) الستور علی القبور ۔ بعض لوگ دھوکہ دینے کے لئے حجت لاتے ہیں کہ دیکھو عورت کے جنازہ پر گہوارہ بنا کر چادر

(۱) قبروں پر چادریں چڑھانی مکروہ ہے۔۱۲

ڈالتے ہیں۔ گہوارہ بھی قبر کے مشابہ ہے، جب یہ جائز ہے تو وہ بھی جائز ہے۔ اس تقریر کا لغو ہونا صاف ظاہر ہے۔ اول تو یہ قیاس ہے کہ جو نص کے مقابلہ میں خود باطل ہے۔ دوسرے قیاس بھی مع الفارق گہوارہ پر تو پردہ کی غرض سے چادر ڈالتے ہیں۔ قبر جب بند ہوگئی اب پردہ کی کون سی ضرورت رہی۔ یہاں تو محض زیب و زینت و تکلف اور تقریب و رضامندی صاحب مزار مقصود ہے، و بس، اور اسراف رہا جدا اور خود یہ امور جدا جدا ممنوع ہیں۔ اور سب کا جمع ہونا اور بھی شدید ہے۔ جب اس کا ممنوع ہونا ثابت ہوگیا اور معصیت کی نذر جائز نہیں۔ بلاشک ایسی نذر باطل ہوگی جس کا ایفا بالکل ناجائز ہے اور وہاں ایسے فضول کاموں کے لئے جانا خود سفر معصیت ہے۔ بالخصوص عورتوں کا لے جانا جس میں علاوہ مفاسد مذکورہ کے انواع انواع کی بے پردگیاں ہوتی ہیں اور فساد عقیدہ رہا جدا، ایسے ہی عورتوں کی نسبت ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ لعنت کرے ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کرتی ہیں۔

اور حدیث شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ لعنت کرے اللہ تعالیٰ یہود اور نصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ یہ حدیث مطلب مذکور کے اثبات کے لئے کافی ہے۔ اور اسی حدیث سے قبر کو سجدہ کرنے کی حرمت بھی ثابت ہوگئی، اور دوسری حدیث میں ہے ایک صحابیؓ نے حضور سرور عالم ﷺ سے اجازت چاہی کہ ہم آپ کو سجدہ کیا کریں۔ آپ ﷺ نے سوال کیا کہ اگر تم ہمارے بعد ہماری قبر پر گزرو گے، کیا جب بھی سجدہ کیا کرو گے۔ صحابیؓ نے عرض کیا کہ اس وقت تو نہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی کو اجازت سجدہ کی ہوتی تو عورت کو اجازت دیتا کہ خاوند کو سجدہ کرے۔ مطلب آپ ﷺ کے جواب کا یہ ہوا کہ جب تم اس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ بعد موت کے کوئی مستحق سجدہ نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ مستحق سجدہ وہی ہے جو دائم و قیوم و قائم ہے۔ سجدہ اسی کا حق ہے، اس لئے زندہ مردہ سب کو سجدہ کرنا حرام ٹھہرایا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض

لوگ جو زندہ پیروں کو سجدہ کرتے ہیں یہ بھی ناجائز ہے۔ اور اگر کسی بزرگ سے قولاً یا فعلاً منقول ہو تو بحسن ظن اس میں تاویل سکر و غلبہ حال کی جائے گی۔ جس میں معذوری ہے۔

اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے اس سے کہ قبروں پر چراغوں کا سامان کیا جائے اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ممانعت فرمائی اس سے کہ قبروں کو پختہ بنایا جائے اور اس سے کہ اس پر لکھا جائے اور اس سے کہ ان پر کوئی عمارت بنائی جائے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

بعضے لوگ قبروں پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں۔ چونکہ مقصود اس سے تقریب و رضامندی اولیاء کی ہوتی ہے اور ان کو اپنا حاجت روا سمجھتے ہیں۔ یہ اعتقاد شرک ہے اور وہ چڑھاوا کھانا بھی جائز نہیں۔ لعموم (۱) **قوله تعالیٰ وما اهل به لغير الله**

بعض لوگ تاویل کرتے ہیں کہ مقصود اصلی ہمارا مساکین کو دینا ہے۔ چونکہ یہ لوگ وہاں جمع رہتے ہیں اس لئے وہاں لے جاتے ہیں۔ مگر یہ محض حیلہ ہے۔ کیونکہ اگر وہی مساکین اس شخص کو راہ میں مل جائیں اور سوال کریں تو ہرگز ان کو اس چڑھاوے میں سے ایک ذرہ بھی نہ دے اور یہی جواب ملے کہ جہاں کے لئے لائے ہیں وہاں تو ابھی پہنچا ہی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبر مقصود ہے، مساکین مقصود نہیں۔ پھر وہاں پہنچ کر ویسے بھی تو مساکین کو تقسیم کر سکتے ہیں، قبر پر رکھنے کی کیا وجہ ہے۔

بعض لوگ پھولوں کی چادر اور ہار نہایت مکلّف بنا کر قبروں پر ڈالتے ہیں اور دلیل لاتے ہیں کہ حضور پرنور ﷺ نے دو قبروں پر ایک شاخ کھجور کے دو حصے کر کے گاڑ دیا تھا اور ارشاد فرمایا تھا کہ جب تک یہ خشک نہ ہو جائیں امید ہے کہ ان سے عذاب ہلکا ہو جائے۔

(۱) چڑھاوے کا کھانا جائز نہیں۔۱۲

جواب اس کا یہ ہے کہ اول تو بعض لوگوں نے اس کو حضور ﷺ کی خصوصیات سے کہا ہے اور اگر عام ہی کہا جائے تب بھی قیاس مع الفارق ہے، دوسرے اول تو کجا شاخ اور کجا پھولوں کے ہار اور چادریں کہ وہاں مقصود محض ایصال اثر ذکر ہے اور یہاں تکلف و آرائش اور تکلف قبور کے ساتھ خود ممنوع ہے۔ جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ دوسرے یہ کہ حضور ﷺ نے اس عمل کو تخفیف عذاب کے لئے کیا تھا۔ اگر یہ لوگ بھی تخفیف عذاب کے لئے کرتے تو جن حضرات کو کامل اور مقبول مانتے ہیں اور ان میں عذاب کا احتمال بھی ان کو ہرگز نہیں ہو سکتا ان کی قبروں کے ساتھ یہ عمل نہ کرتے بلکہ فاسقوں اور فاجروں کی قبور کے ساتھ کرتے۔ حالانکہ معاملہ بالعکس ہے اس سے معلوم ہوا کہ مقصود تخفیف عذاب نہیں بلکہ وہی تقرب اور خوشنودی اولیاء اللہ کی، جس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں اور نہ وہ ان امور سے خوش ہوتے ہیں، اور خوش تو جب ہوتے جب ان کو کوئی نفع پہنچتا، ان تکلفات سے ان کو کیا فائدہ اور فاتحہ مروجہ میں یہ امور پیدا ہو گئے ہیں۔

ا۔ اکثر عوام حضرات اولیاء اللہ کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر اس نیت سے فاتحہ و نیاز دلاتے ہیں کہ ان سے ہمارے کاروبار کو ترقی ہوگی، مال و اولاد ہوگی، ہمارا رزق بڑھے گا اور اولاد کی عمر بڑھے گی۔ لہذا ہر مسلمان جانتا ہے کہ اس طرح کا عقیدہ صرف شرک ہے۔ تمام قرآن مجید اس عقیدہ کے ابطال سے بھرا پڑا ہے۔ بعض لوگ زبردستی تاویل کرتے ہیں کہ ہم قادر مطلق عالم الغیب حق تعالیٰ ہی کو سمجھتے ہیں مگر آخر بزرگوں کا توسل تو جائز اور ثابت ہے۔

جواب یہ ہے کہ توسل کے یہ معنی نہیں کہ ان وسائل کو کارخانہ تکوین میں کچھ دخیل سمجھا جائے، خواہ تو ان کو فاعل سمجھیں، اس طرح کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے کارخانے سپرد کر رکھے ہیں اور خواہ یوں سمجھیں کہ فاعل تو اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر ان حضرات کے عرض و معروض کرنے سے ضرور ہی اللہ میاں کو کرنا ہی پڑتا ہے، ایسا فعل تو شرک محض

ہے۔ مشرکین عرب کے عقائد اسی قسم کے تھے، وہ بھی اصنام و ارواح کو فاعل بالاصالت نہ جانتے تھے۔ اسی طرح کارکن سمجھتے تھے، جیسا کہ آیت: وَلَئِنْ (۱) سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ، مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۔

اس کی شاہد ہے۔ ایک موٹی بات سمجھنے کے قابل ہے کہ کسی شخص سے کسی چیز کی توقع رکھنے کے لئے کئی امر کا جمع ہونا ضروری ہے۔ اول اس شخص کو اس کی حاجت کی اطلاع ہو، دوسرے اس کے پاس وہ چیز بھی موجود ہو، تیسرے اس کو دینے کی قدرت بھی ہو، چوتھے اس سے بڑا کوئی روکنے والا نہ ہو، پانچویں اس کے پاس ذرائع اس چیز کو اس شخص تک پہنچانے کے بھی ہوں۔

اب خیال فرمایئے کہ جو شخص بزرگوں سے اولاد و رزق وغیرہ کی توقع رکھتا ہے اس سے پوچھنا چاہیے کہ اول تو ان اولیاء کو تمہاری حاجت کی اطلاع کیسے ہوئی اور اگر کہو کہ ان کو تو سب کچھ خود معلوم ہے تو یہ شرک صریح ہے اور اگر کہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اطلاع کر دیتا ہے، سو یہ محال تو نہیں مگر کچھ ضرور بھی نہیں۔ بلا حجت شرعیہ کسی امر ممکن کے وقوع کا عقیدہ کرنا محض معصیت و کذب قلب ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى (۲) وَلَا تَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ الْاٰيَةَ ۔ پھر یہ ان کے پاس رزق و اولاد کہاں جمع رکھا ہے جو نعمتیں ان کے پاس ہیں وہ اور چیزیں ہیں۔ بچے اور روپیہ کا ڈھیر ان کے پاس نہیں لگا۔ پھر یہ کہ قدرت کو اگر ذاتی سمجھا جائے تب تو شرک ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ تصرف دیا ہے تو اس کے لئے دلیل شرعی کی حاجت ہے اور بدون اس کے یہ اعتقاد بھی باطل و افتراء محض ہے بلکہ قرآن و حدیث میں تو لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا صاف صاف موجود ہے جس سے دوسروں کو ایسی

---

(۱) اور البتہ اگر آپ پوچھیں ان لوگوں سے کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو تو وہ کہیں گے کہ ان کو اللہ نے پیدا کیا۔ (۲) اور جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد نہ کیا کرو۔ ۱۲

قدرت کی نفی ہو رہی ہے۔ پھر یہ کہ کس طرح معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جو احکم الحاکمین ہے وہ ہرگز اس تصرف سے نہ روکیں گے، جس طرح چاہتے ہیں وہی ہو جائے گا۔ اگر ایسا کوئی سمجھے تو اس نے تمام قرآن کی تکذیب کی۔ پھر وہ ذرائع دریافت کئے جائیں کہ اولاد اس کو کس طرح دی، روپیہ کس طرح ان کے پاس بھیجا اور اگر ان تمام اشکالات کے جواب میں کوئی یوں کہے کہ وہ لوگ دعا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ قبول فرما کر ویسا ہی کر دیتے ہیں۔

اس کا جواب یہی ہے کہ دعا کے لئے تو اول ان کی اطلاع کی ضرورت ہے اور اس کی دلیل کوئی نہیں، پھر بعد اطلاع کے اس کی دلیل کیا ہے کہ وہ دعا کر ہی دیتے ہیں۔ پھر دعا کے بعد اس کی کیا دلیل ہے کہ وہ ضرور ہی قبول ہو جاتی ہے۔ غرض توسل کے یہ معنی نہیں ہیں۔ البتہ توسل جو احادیث سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ یا الٰہی فلاں مقبول بندہ کی برکت سے میری فلاں حاجت پوری فرما دیجئے۔ جس طرح حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کے توسل سے بارش کی دعا مانگی تھی، ایسا توسل بلاشک جائز ہے اور جیسے جہلاء کا عقیدہ ہے وہ محض شرک ہے۔ غرض یاد رکھو کہ جن کمالات کا اختصاص حضرت حق تعالیٰ کے ساتھ عقلاً و نقلاً ثابت ہے ان کمالات کا کسی دوسرے میں اعتقاد کرنا شرک اعتقادی ہے۔ اور جن معاملات اور افعال کا خاص ہونا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ثابت ہے وہ برتاؤ کسی سے کرنا شرک فی العمل ہے۔ اس قاعدہ کے لحاظ کرنے سے انشاء اللہ کسی بلا میں مبتلا نہ ہوگا۔

۲۔ وہی تحقیقات و تعینات کا ضروری سمجھنا جس کی کراہت کا چند بار ذکر ہو چکا ہے، یہاں بھی موجود ہے۔

۳۔ اکثر عوام کی عادت ہے کہ بہت سے طعام سے تھوڑا سا کھانا کسی طباق یا خوان میں رکھ کر اس کو روبرو رکھ کر فاتحہ پڑھتے ہیں۔ اس میں علاوہ مفاسد مذکور کے یہ امر قابل استفسار ہے کہ جتنا کھانا تم نے پکایا ہے آیا اس کا ثواب بخشنا منظور ہے یا

صرف اس طباق ہی کا، یہ تو یقیناً کوئی نہ کہے گا کہ صرف اس طباق ہی کا ثواب بخشنا منظور ہے، اور عمل اور برتاؤ سے بھی یہ معلوم نہیں ہوتا۔ پس ضرور یہ کہا جاوے گا کہ تمام کھانے کا ثواب بخشنا منظور ہے۔ تو اب ہم پوچھتے ہیں کہ آیا کھانے کا ثواب پہنچانے کے لئے کھانا روبرو ضرور ہے یا نہیں۔ اگر ضرور ہے تو صرف ایک طباق رکھنے سے کیا ہوتا ہے اور اس سے تو تمہارے قاعدے کے موافق صرف اس طباق کا ثواب پہنچنا چاہئے۔ باقی تمام کھانا ضائع گیا اور اگر یوں کہو کہ اس چیز کا روبرو ہونا ضروری نہیں صرف نیت کافی ہے، اور اسی بناء پر تمام طعام کا ثواب پہنچ سکتا ہے، تو پھر طباق کے رکھنے کی کیا ضرورت ہوئی۔ اس میں بھی نیت کافی تھی۔ کیا توبہ! توبہ! حق تعالیٰ کو نمونہ دکھلاتا ہے کہ دیکھئے اس قسم کا کھانا دیگ میں ہے۔ اس کا ثواب بخش دیجئے۔ غرض اس حرکت کی کوئی معقول وجہ نہیں نکلتی۔ محض رواج کی پابندی ہے اور بس! پھر پابندی بھی کیسی کہ اکثر عوام سمجھتے ہیں کہ بدون اس ہیئت خاصہ کے ثواب بھی نہ پہنچے گا۔

۴۔ ایک امر قابل دریافت یہ ہے کہ جس چیز کا ثواب بخشنا منظور ہو، اگر اس کا روبرو رکھنا ضروری ہے تو کیا وجہ کہ طعام و شیرینی کو تو رکھا جاتا ہے اور اگر روپیہ یا کپڑا یا غلہ وغیرہ ایصال ثواب کے لئے دیا جائے تو اس میں اس طریق سے فاتحہ کیوں نہیں پڑھی جاتی، اور اگر روبرو رکھنا ضروری نہیں تو اس طعام و شیرینی ہی میں یہ تکلف کیوں کیا جاتا ہے اور اگر طعام و غیر طعام میں کچھ فرق ہے تو دلیل شرعی سے اس کو بیان کرنا چاہئے تو قیامت تک بھی یہ ممکن نہیں۔

۵۔ ایک عادت و رواج یہ ہے کہ کھانا کھلانے اور دینے کے قبل بطریق متعارف ثواب بخشتے ہیں، سو اس میں دو امر قابل تحقیق ہیں۔ ایک تو یہ ثواب پہنچانے کی حقیقت کیا ہے۔ سو ظاہر ہے کہ حقیقت اس کی یہ ہے کہ ایک شخص نے کوئی نیک کام کیا اور اس پر اس کو کچھ ثواب ملنے کی توقع ہوئی جو کچھ اس کو ثواب ملا اس نے اپنی طرف سے دوسرے کو دے دیا۔

دوسرا امر قابل تحقیق یہ ہے کہ ثواب کس چیز کا ملتا ہے۔ آیا نفس طعام کا یا اس کے کھلانے اور دینے کا تو ظاہر ہے کہ خود کھانے کی ذات تو کوئی ثواب کی چیز نہیں، جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہرگز نہیں پہنچتا اللہ تعالیٰ کے پاس قربانی کا گوشت اور نہ اس کا خون، لیکن تمہارا تقویٰ وہاں پہنچتا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ شے کا ثواب نہیں پہنچتا، بلکہ عمل کا ہوتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ خود طعام کی ذات کا ثواب نہیں ہوا، بلکہ کھلانے پلانے اور دینے کا ہوا کیونکہ وہ عمل ہے، جب یہ دونوں امر تحقیق ہو چکے تو اب ہم پوچھتے ہیں کہ جس وقت کھانا پک کر تیار ہوا ہے اور ابھی نہ کسی کو دیا گیا اور نہ کھلایا گیا، اس کا ثواب ملا یا نہیں، اگر نہیں ملا تو یہ مردہ کو کیا پہنچاتا ہے۔ ابھی خود تو کچھ لے لے، پھر دوسرے کو دے، اور اگر اس کا ثواب ملا ہے تو کس چیز کا ملا ہے۔ کوئی عمل ابھی پایا نہیں گیا۔ پھر کاہے کا ثواب بخشتا ہے۔

غرض یہ حرکت بھی محض بے معنی ہے۔ بلکہ بعض عوام کے طرز عمل سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود ذات طعام کو موجب ثواب سمجھتے ہیں۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ بعض نذر و نیاز میں آپ ہی کھا پی لیتے ہیں یا اغنیاء احباب کو کھلا دیتے ہیں، جن کے دینے کو کوئی شخص بھی موجب ثواب نہیں جان سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ دینے کھلانے کو موجب ثواب نہیں جانتے ورنہ ایسے لوگوں کو دیا کرتے جن کو دینے کو ثواب جانتے بلکہ خود ذات طعام یا شیرینی میں ثواب سمجھتے ہیں تو یہ خود ایک عقیدہ فاسدہ ہے اور قرآن کے خلاف ہے جس سے توبہ کرنا واجب ہے اور اگر کوئی کہے کہ ہم طعام کو موجب ثواب نہیں سمجھتے مگر جب ہم نے نیت طعام کی کر لی تو نیت بھی تو عمل ہے۔ اس لئے ایصال ثواب بے معنی نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے مانا کہ نیت عمل ہے مگر نیت کا ثواب بخشنا چاہتے ہو یا کھانا کھلا دینے کا، کیونکہ نیت کا ثواب اور ہے اور طعام کا ثواب اور۔ پھر یہ کہ نیت تو قبل کھانا پکانے کے بھی ہو گئی تھی اس وقت کیوں نہیں بخش دیا کرتے۔ غرض اس

عادت کی بھی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ محض رواج کی پابندی ہے اور کچھ بھی نہیں۔ البتہ ایصال ثواب بطریق مشروع نہایت خوبی کی بات ہے۔ اس کا سیدھا طریقہ وہی ہے جو ان مفاسد کے بیان سے ذرا قبل مذکور ہوا ہے کہ بلا تعین و پابندی رواج حسب توفیق جو میسر ہو مستحقین کو دے دے اور ثواب بخش دے۔

اس تقریر سے ان سب معمولات کا حکم معلوم ہو گیا۔ گیارہویں، سہ ماہی، توشہ وغیرہ کیا بلا تقید و بلا تخصیص و بلا فساد عقیدہ تو بلا کلام جائز ہے اور قیود مکروہہ و مفاسد مذکورہ کے ساتھ بلا تردد نا جائز ہے اور قیود مباحہ کے ساتھ جس کو نہ خود ضرر ہو نہ اس کے فعل سے کسی دوسرے کو ضرر ہو خفیہ طور پر اس کو گنجائش دی گئی ہے۔ اس کو بھی چاہئے کہ ان قیود میں گاہ گاہ تغیر و تبدیل کر دیا کرے تا کہ کہیں اسی کے نفس میں یا شاید دوسرے کے نفس میں کوئی ۔۔ نہ پیدا ہو جائے۔ مگر پھر بھی اطلاق کا طریقہ افضل و مسنون ہے۔ کیونکہ اس طریق مباح ہی سے آخر خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں تو آئندہ بھی اندیشہ ہی ہے اس لئے مقتضائے انتظام الٰہی یہی ہے کہ ان قیود سے بالکل ہی احتیاط رکھے اور تجربہ سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ قیود کی پابندی میں اگر ابتداء میں بالفرض خلوص بھی ہو، مگر بعد چند دن کے پھر اس کو نباہنے کے لئے کرنا پڑتا ہے اور نیت درست نہیں رہتی۔

تیسری فصل

منجملہ ان رسوم کے شب برات کا حلوہ اور عید کی سویاں، عاشورہ محرم کا کھچڑا اور شربت وغیرہ ہے۔ شب برات میں حدیث سے اس قدر ثابت ہے کہ حضور ﷺ بحکم حق تعالیٰ جنت البقیع میں تشریف لے گئے اور اموات کے لئے استغفار فرمایا۔

اس سے آگے سب ایجاد ہے۔ جس میں مفاسد کثیرہ پیدا ہو گئے ہیں۔

۱۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور سرور عالم ﷺ کا دندان مبارک جب شہید ہوا تو آپ ﷺ نے حلوہ نوش فرمایا تھا۔ یہ بالکل موضوع اور غلط قصہ ہے، اس کا اعتقاد کرنا ہرگز جائز نہیں، بلکہ عقلاً بھی ممکن نہیں۔ اس لئے کہ یہ واقعہ شوال میں ہوا نہ کہ شعبان میں۔

۲۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ان دنوں میں ہوئی تھی، یہ ان کی فاتحہ ہے یہ بھی محض بے اصل ہے اور اول تو تعین تاریخ کی ضرورت نہیں۔ دوسری خود یہ واقعہ بھی غلط ہے۔ آپ کی شہادت بھی شوال میں ہوئی تھی، شعبان میں نہیں ہوئی۔

۳۔ بعض لوگ اعتقاد رکھتے ہیں کہ شب برات وغیرہ میں مردوں کی روحیں گھروں میں آتی ہیں، اور دیکھتی ہیں کہ کسی نے ہمارے لئے کچھ پکایا ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا امر مخفی بجز دلیل نقلی کے اور کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور وہ یہاں ندارد ہے۔

۴۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب شب برات سے پہلے کوئی مر جائے تو جب تک کہ اس کے لئے فاتحہ شب برات نہ کیا جائے وہ مردوں میں شامل نہیں ہوتا۔ یہ بھی محض تصنیف یاراں اور بالکل لغو ہے۔ بلکہ رواج ہے کہ اگر تہوار سے پہلے کوئی مر جائے تو کنبہ بھر میں پہلا تہوار نہیں ہوتا۔ حدیثوں میں صاف مذکور ہے کہ جب مردہ مرتا ہے تو مرتے ہی اپنے جیسے لوگوں میں جا پہنچتا ہے، یہ نہیں کہ شب برات تک اٹکا رہتا ہے۔

۵۔ حلوے کی ایسی پابندی ہے کہ بدون اس کے سمجھتے ہیں کہ شب برات ہی نہیں ہوئی۔ اس پابندی میں اکثر فساد عقیدہ بھی ہو جاتا ہے کہ اس کو مؤکد ضروری سمجھنے لگتے ہیں۔ فساد عمل بھی ہو جاتا ہے۔ فرائض وواجبات سے زیادہ اس کا اہتمام کرنے

لگتے ہیں اور ان دونوں کا معصیت ہونا فصل اول میں بالتشریح مذکور ہو چکا ہے۔ ان خرابیوں کے علاوہ تجربہ سے ایک اور خرابی ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ نیت بھی فاسد ہو جاتی ہے۔ ثواب وغیرہ مقصود نہیں رہتا۔ خیال ہو جاتا ہے کہ اگر اب کے نہ کیا تو لوگ کہیں گے کہ اب کے خست اور ناداری نے گھیر لیا ہے، اس الزام کے رفع کرنے کے لئے جس طرح بن پڑتا ہے مرمار کرتا ہے۔ ایسی نیت سے صرف کرنا محض اسراف وتفاخر ہے جس کا گناہ ہونا بارہا مذکور ہو چکا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کے لئے قرض سودی لینا پڑتا ہے۔ یہ جدا گناہ ہے۔

۶۔ جو لوگ مستحق اعانت ہیں ان کو کوئی بھی نہیں دیتا۔ یا ادنیٰ درجہ کا پکا کر ان کو دیا جاتا ہے، اکثر اہل ثروت و برادری کے لوگوں کو بطور معاوضہ کے دیتے لیتے ہیں اور نیت اس میں بھی یہی ہوتی ہے کہ فلاں شخص نے ہمارے یہاں بھیجا ہے۔ اگر ہم نہ بھیجیں گے تو وہ کیا کہے گا۔ غرض کہ اس میں بھی وہی ریا و تفاخر ہو جاتا ہے۔

۷۔ بعض لوگ اس تاریخ میں مسور کی دال ضرور پکاتے ہیں۔ اس کی ایجاد کی وجہ آج تک معلوم نہیں ہوئی۔ لیکن اس قدر ظاہر ہے کہ مؤکد سمجھنا بلاشک معصیت ہے، یہ تو کھانا پکانے میں مفاسد ایجاد کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ آتش بازی کی رسم اس شب میں شامل ہے۔ اس کی نسبت باب اول میں بیان ہو چکا ہے۔ حاجت اعادہ نہیں۔

تیسری زیادتی اس میں یہ کی گئی ہے کہ بعض لوگ شب بیداری کے لئے فرائض سے زیادہ اس میں لوگوں کو جمع کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ ہر چند کہ اجتماع سے شب بیداری سہل تو ہو جاتی ہے مگر نفل عبادت کے لئے لوگوں کو ایسے اہتمام سے بلانا اور جمع کرنا یہ خود خلاف شریعت ہے۔ جیسا اسی باب کی فصل اول میں بیان ہو چکا ہے۔ البتہ اتفاقاً کچھ لوگ جمع ہو گئے اس کا مضائقہ نہیں۔

۸۔ بعض لوگوں نے اس میں برتنوں کا بدلنا اور گھر لیپنا اور خود اس شب میں

چراغوں کا زیادہ روشن کرنا عادت کر لی ہے یہ بالکل رسم کفار کی نقل ہے اور حدیث تشبہ سے حرام ہے۔

حدیث سے اس زمانہ میں تین امر ثابت ہوئے ہیں۔ ان کو بطور مسنون ادا کرنا موجب ثواب و برکات کا ہے۔ اول پندرہویں شب کو گورستان میں جا کر اموات کے لئے دعاء استغفار کرنا اور کچھ صدقہ و خیرات دے کر بھی اگر مردوں کو اس کا ثواب بخش دیا جائے تو وہی دعا و استغفار اس کے لئے اصل نکل سکتی ہے کہ مقصود دونوں سے نفع رسانی اموات کی ہے۔ مگر اس میں کسی بات کا پابند نہ ہو، اگر وقت پر میسر ہو خفیہ کچھ دے دلا دے، باقی حدود شرعی سے تجاوز نہ کرے۔

دوم اس شب میں بیدار رہ کر عبادت کرنا خواہ خلوت میں ہو یا دو چار آدمیوں کے ساتھ جن کے جمع کرنے کے لئے کوئی خاص اہتمام نہ کیا گیا ہو۔

سوم پندرہویں تاریخ کو روزہ نفل رکھنا، ان عبادتوں کو مسنون طور پر ادا کرنا نہایت احسن ہے اور عید الفطر میں سویاں پکانا فی نفسہ مباح ہے۔ مگر لوگوں نے اس میں خرابیاں پیدا کر لی ہیں۔

۱۔ اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر سویاں نہ پکائی جائیں تو گویا عید ہی نہیں ہوتی۔ ایسے التزام و اہتمام کا خلاف شرع ہونا اوپر مذکور ہو چکا ہے۔

۲۔ اس پابندی کی بدولت یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ اگر پاس خرچ نہ ہو تو قرض لے کر گو سودی ہی ملے ضرور اس کا اہتمام کرتے ہیں۔

۳۔ اس کی نسبت ایک موضوع روایت مشہور ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے آٹا پکا کر مروڑیاں جمع کر کے سویاں پکائی تھیں، یہ محض تہمت ہے، کہیں ثابت نہیں۔

۴۔ اور دینے لینے میں ریاء و تفاخر ہونا یہاں بھی موجود ہے۔ اکثر اعزاء و اقارب کے بچوں کو شرم اتارنے کے لئے دیا جاتا ہے۔ خواہ گنجائش ہو یا نہ ہو، پھر جانب ثانی سے اسی دن یا اگلی عید بقر عید کو نہایت ضروری سمجھ کر اس کا عوض ادا کیا جاتا

ہے۔ جو مصیبت تو تہ میں تھی وہ یہاں بھی ہے۔ اسی طرح سویوں کا طباق جہاں اس نے اس کی بہو کو اور اس نے اس کی بہو کو دیا لیا، جس کو ٹھیرا بدلوائی کہا جائے تو نہایت زیبا ہے۔ اسی دل لگی میں جانبین پر پورا بار ہو گیا۔ اس تاریخ میں حضرت پیغمبر ﷺ سے صرف اس قدر ثابت ہے کہ چند خرما نوش فرما کر عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے۔ اگر رغبت ولذت کے لئے دودھ سویاں وغیرہ بھی اضافہ کرلے تو مباح ہے۔ مگر اس کا ایسا پابند نہ ہو جس سے مفاسد مذکورہ لازم آئیں، کبھی کبھی ناغہ بھی کر دیا کریں۔ گنجائش نہ ہونے کے وقت خواہ مخواہ تردد میں نہ پڑے اور گنجائش کے وقت بھی رسوم کا اتباع نہ کرے۔ بے تکلفی سے جو ہو جائے اس پر بس کرے۔

عشرہ محرم میں حدیث سے دو امر ثابت ہیں۔ نویں دسویں کا روزہ اور دسویں تاریخ اپنے گھر والوں کے خرچ میں قدرے وسعت کرنا جس کی نسبت وارد ہوا ہے کہ اس عمل سے سال بھر تک روزی میں وسعت رہتی ہے۔ باقی امور حرام یہ ہیں۔

ا۔ تعزیہ بنانا۔ جس کی وجہ سے طرح طرح کا فسق وشرک صادر ہے۔ بعض جہاد کا اعتقاد ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ اس میں حضرت امام حسینؓ رونق افروز ہیں اور اس وجہ سے اس کے آگے نذر و نیاز رکھتے ہیں۔ جس کا مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں داخل ہو کر کھانا حرام ہے اس کے آگے دست بستہ تعظیم سے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس طرف پشت نہیں کرتے، اس پر عرضیاں لٹکاتے ہیں۔ اس کے دیکھنے کو زیارت کہتے ہیں اور اس قسم کے واہی تباہی معاملات کرتے ہیں جو صریح شرک ہیں۔ ان معاملات کے اعتبار سے تعزیہ اس آیت کے مضمون میں داخل ہیں۔ اَتَعْبُدُوْنَ (۱) مَا تَنْحِتُوْنَ ۔ اور طرفہ ماجرا یہ ہے کہ یا تو اس کی بے حد تعظیم وتکریم ہو رہی تھی اور یا دفعتاً اس کو جنگل میں لے جا کر توڑ پھوڑ کر برابر کیا۔ معلوم نہیں آج وہ ایسا بے قدر کیوں ہو گیا...... واقعی جو امر خلاف شرع ہوتا ہے وہ عقل کے بھی خلاف ہوتا ہے۔ بعضے نادان یوں کہتے ہیں

(۱) کیا ایسی چیز کو پوجتے ہو جس کو خود تراشتے ہو۔

کہ صاحب اس کو حضرت امام عالی مقامؓ کے ساتھ نسبت ہوگئی اور اس کا نام لگ گیا۔ اس لئے تعظیم کے قابل ہوگیا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ نسبت کی تعظیم ہونے میں کوئی کلام نہیں مگر جب کہ نسبت واقعی ہو۔ مثلاً حضرت امام حسینؓ کا کوئی لباس ہو یا اور کوئی ان کا تبرک ہو۔ ہمارے نزدیک بھی وہ قابل تعظیم ہیں اور جو نسبت اپنی طرف سے تراشی ہوئی ہو وہ ہرگز اسباب تعظیم سے نہیں ورنہ کل کو کوئی خود امام حسینؓ ہونے کا دعویٰ کرنے لگے تو چاہئے کہ اس کو اور زیادہ تعظیم کرنے لگو۔ حالانکہ بالیقین اس کو گستاخ و بے ادب قرار دے کر اس کی سخت توہین کے درپے ہو جاؤ گے، اس سے معلوم ہوا کہ نسبت کاذبہ سے وہ شے معظم نہیں ہوتی، بلکہ اس کذب کی وجہ سے زیادہ اہانت کے قابل ہوتی ہے۔ اس بناء پر انصاف کر لو کہ یہ تعزیہ تعظیم کے قابل ہے یا اہانت کے۔

۲۔ معازف و مزامیر کا بجانا جس کی حرمت حدیث میں صاف صاف مذکور ہے اور باب اول میں وہ حدیث لکھی گئی ہے اور قطع نظر خلاف شرع ہونے کے عقل کے بھی تو خلاف ہے۔ معازف و میزامیر تو سامان سرور ہیں۔ سامان غم میں اس کے کیا معنی، یہ تو در پردہ خوشی منانا ہے، بر چنیں دعویٰ الفت آفریں۔

۳۔ مجمع فساق و فجار کا جمع ہونا جس میں وہ فحش واقعات ہوتے ہیں کہ ناگفتہ بہ ہیں۔

۴۔ نوحہ کرنا جس کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔ ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ لعنت فرمائی ہے رسول اللہ ﷺ نے نوحہ کرنے والے اور اس کی طرف کان لگانے والے کو۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

۵۔ مرثیہ پڑھنا، جس کی نسبت حدیث میں صاف ممانعت آئی ہے۔ ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مرثیوں سے منع فرمایا ہے۔

۶۔ اکثر موضوع روایات پڑھنا جس کی نسبت احادیث میں سخت وعیدیں آئی

نہیں۔

۷۔ ان ایام میں قصداً زینت ترک کرنا جس کو سوگ کہتے ہیں اور حکم اس کا شریعت میں یہ ہے کہ عورت کو صرف خاوند پر چار ماہ دس دن یا وضع حمل تک واجب ہے، اور دوسرے عزیزوں کے مرنے پر تین دن جائز ہے، باقی حرام۔ سو اب تیرہ سو سال کے بعد یہ عمل کرنا بلاشک حرام ہے۔

۸۔ کسی خاص لباس یا کسی خاص رنگ میں اظہار غم کرنا۔ ابن ماجہ میں حضرت عمران بن حصینؓ سے ایک قصے میں منقول ہے کہ ایک جنازہ میں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو دیکھا کہ غم میں چادر اتار کر صرف کرتہ پہنے ہیں، یہ وہاں غم کی اصطلاح تھی۔ آپ ﷺ نہایت ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ جاہلیت کے کام کرتے ہو یا جاہلیت کی رسم کی مشابہت کرتے ہو، میرا تو یہ ارادہ ہو گیا تھا کہ تم پر ایسی بددعا کروں کہ تمہاری صورتیں مسخ ہو جائیں۔ پس فوراً ان لوگوں نے اپنی چادریں اوڑھ لیں اور پھر کبھی ایسا نہیں کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ کوئی خاص وضع و ہیئت اظہار غم کے لئے بنانا بھی حرام ہے۔

۹۔ بعض لوگ اپنے بچوں کو امام حسینؓ کا فقیر بناتے ہیں اور ان سے بعضے بھیک بھی منگواتے ہیں۔ اس میں اعتقادی فساد تو یہ ہے کہ اس عمل کو اس کی طول حیات میں موثر جانتے ہیں۔ یہ صریح شرک ہے اور بھیک مانگنا بلا اضطرار حرام ہے۔

۱۰۔ حضرات اہل بیت کی اہانت برسر بازار کرتے ہیں۔ اگر ایام غدر کے واقعات جس میں کسی خاندان کی عورتوں کا ہتک ہوا ہو، اس طرح علی الاعلان گائے جائیں تو اس خاندان کے مردوں کو کس قدر غیظ و غضب آئے گا۔ پھر سخت افسوس ہے کہ حضرات اہل بیت کے حالات اعلان کرنے میں غیرت بھی نہ آئے اور اس طرح کے بہت سے امور قبیحہ ہیں جو ان دنوں میں کئے جاتے ہیں۔ ان کا اختیار کرنا اور ایسے مجمع میں جانا سب حرام ہے اور یہی تمام تر فضیحتیں پھر چہلم کو دہرائی جاتی ہیں اور

بعض امور فی نفسہ مباح تھے مگر بوجہ فساد عقیدہ یا عمل کے وہ بھی ممنوع ہو گئے۔

ا۔ کھچڑا یا اور کچھ کھانا پکانا اور احباب یا مساکین کو دینا اور اس کا ثواب حضرت امام حسینؓ کو بخش دینا اس کی اصل وہی حدیث ہے کہ جو شخص اس دن میں اپنے اہل وعیال پر وسعت کرے اللہ تعالیٰ سال بھر تک اس پر وسعت فرماتے ہیں۔ وسعت کی یہ بھی ایک صورت ہو سکتی ہے کہ بہت سے کھانے پکائے جائیں، خواہ جدا جدا یا ملا کر کھچڑے میں کئی جنس مختلف ہوتی ہیں۔ اس لئے وہ اس وسعت میں داخل ہو سکتا ہے۔

چنانچہ درمختار میں ہے ولا باس بالمعتاد خلطا دیوجه۔ جب اہل وعیال کو دیا، کچھ غریب غرباء کو بھی دے دیا۔ حضرت امامینؓ کو بھی ثواب بخش دیا۔ مگر چونکہ لوگوں نے اس میں طرح طرح کی رسوم کی پابندی کر لی ہے گویا خود اس کو ایک تہوار قرار دے دیا ہے۔ اس لئے رسم کے طور پر کرنے سے ممانعت کی جائے گی۔ بلا پابندی اگر اس روز کچھ فراخی خرچ میں، کھانے پینے میں کر دے تو مضائقہ نہیں۔

۲۔ شربت پلانا یہ بھی اپنی ذات میں مباح تھا کیونکہ جب پانی پلانے میں ثواب ہے تو شربت پلانے میں کیا حرج تھا۔ مگر وہی رسم کی پابندی اس میں ہے، اور اس کے علاوہ اس میں اہل رفض کے ساتھ تشبہ بھی ہے۔ اس لئے یہ بھی قابل ترک ہے۔ تیسرے اس میں ایک مضر خرابی یہ ہے کہ شربت اس مناسبت سے تجویز کیا گیا ہے کہ حضرات شہداء کربلا پیاسے شہید ہوئے تھے اور شربت مسکن عطش ہے اس لئے اس کو تجویز کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے عقیدہ میں شربت پہنچتا ہے جس کا باطل اور خلاف قرآن مجید ہونا فصل دوم میں مذکور ہو چکا ہے اور اگر پلانے کا ثواب پہنچتا تو ثواب سب یکساں ہے نہ کہ ان کے زعم میں اب تک شہدائے کربلا نعوذ باللہ سامنے ہیں۔ یہ کس قدر بے ادبی ہے۔ ان مفاسد کی وجہ سے اس سے بھی احتیاط لازم ہے۔

۳۔ شہادت کا قصہ بھی بیان کرنا یہ بھی فی نفسہ چند روایات کا ذکر کر دینا ہے۔ اگر صحیح ہوں تو روایات کا بیان کر دینا فی ذاتہ جائز تھا مگر اس میں یہ خرابیاں عارض ہو گئیں۔

(۱) مقصود اس بیان سے ہیجان اور جلب غم اور گریہ وزاری کا ہوتا ہے۔ اس میں صریح مقابلہ شریعت مطہرہ کا ہے کیونکہ شریعت میں ترغیب صبر مقصود ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ مزاحمت شریعت کی سخت معصیت اور حرام ہے۔ اس لئے گریہ وزاری کو بھی قصداً یاد کر کے لانا جائز نہیں۔ البتہ غلبہ غم سے اگر آنسو آ جائیں تو اس میں گناہ نہیں۔

(۲) لوگوں کو اس لئے بلایا جاتا ہے اور ایسے امور کے لئے انصرام واہتمام خود ممنوع ہے۔

(۳) اس میں مشابہت اہل رفض کے ساتھ بھی ہے اس لئے ایسی مجلس کا منعقد کرنا اور اس میں شرکت کرنا سب ممنوع ہے۔ چنانچہ مطالب المومنین میں صاف منع لکھا ہے اور قواعد شرعیہ بھی اس کے شاہد ہیں اور یہ تو اس مجلس کا ذکر ہے جس میں کوئی مضمون خلاف نہ ہو اور نہ وہاں نوحہ و ماتم ہو اور جس میں مضامین بھی غلط ہوں یا بزرگوں کی توہین یا نوحہ حرام ہو، جیسا کہ غالب اس وقت میں ایسا ہی ہے تو اس کا حرام ہونا ظاہر ہے اور اس سے بدتر خود شیعہ کی مجالس میں جا کر شریک ہونا۔ بیان سننے کے لئے یا ایک پیالہ فیرنی اور دو نان کے لئے۔

چوتھی فصل

منجملہ ان رسوم کے وہ رسوم ہیں جو کسی کے مرنے میں برتی جاتی ہے۔ اول تجہیز وتکفین یا نماز میں اس وجہ سے دیر کرتے ہیں کہ فلاں عزیز شریک ہو جائے یا جمعہ میں

زیادہ مجمع ہوگا وہاں نماز ہونا زیادہ اچھا ہے۔ سو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ بالکل شریعت کے خلاف ہے۔ حدیث میں صاف حکم ہے کہ جنازہ میں ہرگز دیر مت کرو۔ فقہاء نے بعض وقتی نمازوں سے اس کو مقدم لکھا ہے اور اگر رونے پیٹنے میں دیر لگائی جائے تو وہ اور بھی زیادہ برا ہے۔

دوم بعض لوگ جنازہ کے ساتھ اناج اور پیسے وغیرہ لے جاتے ہیں اور اس کو وہاں خیرات کر دیتے ہیں، سو چونکہ یہ فعل بالیقین ناموری کے لئے کیا جاتا ہے، اس لئے خلاف شرع ہے اور اکثر اس مقام پر غیر مستحقین زیادہ جمع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اولیٰ یہ ہے کہ جو کچھ دینا ہو اپنے گھر پر خفیۃً مستحقین کو سوچ سمجھ کر دیں اور وہ بھی مشترک ترکہ سے نہ ہو، جیسا آئندہ آتا ہے۔

سوم اکثر کفن کے ساتھ جانماز اور اوپر کے ڈالنے کی چادر بھی ترکہ میت سے خریدی جاتی ہے۔ سو چونکہ یہ دونوں چیزیں کفن مسنون سے خارج ہیں اس لئے ترکہ میں سے جو کہ سب ورثہ میں مشترک ہے اور ممکن ہے کہ ان میں بعض نابالغ رہے ہوں یا بعض یہاں حاضر نہ ہوں اس کا خریدنا ان کے مال میں ناجائز تصرف کرنا ہے۔ اول تو ان چیزوں کی حاجت نہیں بلکہ اس کی پابندی التزام مالا یلزم ہے۔ اور اگر بلا پابندی کسی مصلحت سے اس کو کیا جائے تو کوئی شخص بالغ خاص اپنے مال سے خریدے تو مضائقہ نہیں۔ البتہ عورتوں کے جنازہ پر پردہ کے لئے ضروری ہے۔ اس وجہ سے ترکہ سے خریدنا بھی جائز ہے۔

چہارم رسم ہے کہ مردہ کے مرتے ہی اس کے کپڑے لتے نکال کر حاجتمندوں کو دیتے ہیں۔ اس میں بھی وہی خرابی ہے جو امر سوم میں ذکر کی گئی۔ تاوقتیکہ ترکہ تقسیم نہ ہو جائے، ہرگز اس میں ایسے تصرفات نہ کریں۔ البتہ اگر سب وارث بالغ ہوں اور وہاں موجود ہوں اور بطیب خاطر سب متفق ہو کر دے دیں تو تقسیم کی حاجت نہیں، بلا تقسیم بھی جائز ہوگا۔

پنجم اکثر تیسرے روز مردہ کے مکان پر یا اس کے محلّہ کی مسجد میں برادری کے لوگ اور مساکین وغیرہ جمع ہو کر قرآن مجید اور کلمہ طیبہ ختم کر کے مردے کو بخشتے ہیں اور کہیں کھانا اور کہیں نقد اور کہیں نخود بریاں پڑھنے والوں کو تقسیم ہوتے ہیں اور جلسہ برخاست ہونے کے قبل جس جس کا دل چاہے کچھ متفرق رکوع، کچھ معین سورتیں با آواز بلند پڑھ کر جس کو پنج آیت کہتے ہیں دعا کر کے ختم کر دیتے ہیں۔ یہ عمل بظاہر تو بہت خوبصورت معلوم ہوتا ہے مگر اس کی اندرونی حالت دیکھنے کے قابل ہے۔

تجربہ ومشاہدہ سے یہ امر درجہ یقین کو پہنچ گیا ہے کہ دوست آشنا اور برادری کے لوگ تو محض رفع شکایت کی غرض سے آتے ہیں۔ ایصال ثواب ہرگز مقصود نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی عزیز اپنے گھر بیٹھ کر پورا قرآن ختم کر کے بخش دے تو اہل میت ہرگز راضی نہ ہوں اور شکایت ان کی رفع نہ ہو اور یہاں حاضر ہو کر یوں ہی تھوڑی دیر بیٹھ کر اور کوئی بہانہ حیلہ کر کے چلا جائے تو شکایت سے بچ جائے گا۔

اور بار بار بیان ہو چکا ہے کہ جو عمل ایسے فاسد اغراض سے ہوتا ہے اس کا کچھ ثواب نہیں ملتا۔ جب اس کا ثواب نہ ملا مردے کو کیا دے گا۔ رہ گئے مساکین ان کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہاں جا کر صرف پڑھنا پڑے گا ملے ملائے گا کچھ نہیں تو ہرگز ایک بھی نہ آئے، سو ان کا آنا محض اس توقع سے ہوتا ہے کہ کچھ ملے گا۔ جب ان کو عوض دنیوی مقصود ہو گیا، ان کا پڑھنا بھی خالصاً للہ نہ رہا۔ اس لئے اس کا ثواب بھی نہ ملے گا۔ پھر مردہ کو کیا بخشے گا۔

غرض یہ ساری مشقت اور سامان سب رائیگاں ہے بلکہ قرآن خوانی کو جو ان لوگوں نے ذریعہ جاہ و مال کا بنایا اس کا گناہ سر پر الگ رہا، اور جس طرح قرآن کا عوض لینا جائز نہیں اسی طرح دینا بھی جائز نہیں۔ اس بناء پر نخود وطعام تقسیم کرنے والا بھی اس الزام سے بری نہ رہا اور التزام وتعین کی کراہت ان سب کے علاوہ ہے اور بعض موقعوں پر پھول وغیرہ بھی تقسیم ہوتے ہیں یہ صاف تشبہ بالکفار ہے۔ اسی طرح پنج

آیت میں بھی ہر شخص اپنی قرأت کا اظہار کرتا ہے اور ریا کا معصیت ہونا ظاہر ہے۔ پھر وہی التزام اور تعین کا قصہ اس میں بھی ہے۔

ششم: اکثر جگہ دستور ہے کہ کچھ معین تاریخوں میں یا ان کے قریب آگے پیچھے کچھ کھانا پکا کر برادری میں تقسیم ہوتا ہے اور کچھ مساکین کو کھلاتے ہیں، اور اس کا ثواب مردے کو بخشتے ہیں۔ اس میں بھی وہی قصہ ریاء و تفاخر کا ہے اور اتباع رسم کی وجہ سے اس کی ایسی پابندی ہے کہ بعض اوقات قرض لے کر کرتے ہیں اور اگر کوئی ان سے کہے کہ جتنے دام اس میں صرف کرتے ہیں وہ دام خفیہ طور پر دے دو تو یہ ہرگز گوارا نہ ہو اور یہی خیال کریں کہ واہ اس قدر خرچ بھی کیا اور کسی کو اطلاع بھی نہ ہوئی، اور اکثر ترکہ مشترکہ میں یہ رسم ادا کی جاتی ہے۔ جس کا ممنوع ہونا ابھی بیان ہو چکا ہے، اس کے علاوہ اس میں برادری کا کیا حق ہے۔ غیر مستحقین کو دینا یہ بھی اضاعت مال ہے جس کی ممانعت حدیث و قرآن میں موجود ہے۔ اس قدر مفاسد اس تقسیم طعام میں مجتمع ہیں۔ اس لئے یہ بھی واجب الترک ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پھر ایصال ثواب کس طرح کریں۔ جواب یہ ہے کہ جس طرح سلف صالحین کرتے تھے۔ بلا تقیید و تخصیص اپنی ہمت کے موافق حلال مال سے مساکین کی خفیہ مدد کریں اور جو کچھ توفیق ہو بطور خود قرآن وغیرہ ختم کر کے اس کو پہنچا دیں یا قبرستان میں قبل دفن جو فضول خرافات میں وقت گزار دیتے ہیں، اس وقت کچھ کلام الٰہی ہی پڑھتے رہا کریں۔ بلکہ یہ وقت مردہ کی زیادہ دستگیری کے قابل ہے۔

اور حدیث میں بھی ہے کہ حضور پر نور ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ کو دفن کر کے کچھ تسبیح وغیرہ پڑھیں، جس سے ان کو ضیق قبر سے نجات ہوئی۔ غرض ایصال ثواب سے کوئی منع نہیں کرتا۔ البتہ منکرات و مکروہات سے منع کرتے ہیں۔ جن سے ثواب بھی نصیب نہیں ہوتا اور مال بھی برباد ہوتا ہے۔

ہفتم، میت کے گھر عورتیں کئی کئی بار جمع ہوتی ہیں اور وہاں پان چھالیہ اور کھانا کھاتی ہیں۔ سو اس میں کئی امر مکروہ جمع ہیں۔ اول تو کئی کئی بار تعزیت کرنا جس کو درمختار میں تصریحاً ممنوع لکھا ہے۔ اور عقل میں بھی لو یہ بات آتی ہے کہ بار بار غم کو یاد دلانا ایک نامعقول حرکت ہے۔ تعزیت کی حرکت تو یہ ہے کہ یاد شدہ غم کو بھلا دیا جائے نہ یہ کہ بھولے ہوئے غم کو یاد دلایا جائے۔ پھر یہ کہ جو تعزیت کے معنی ہیں کہ اہل میت کو تسلی دیں کہ ان کو صبر کی فہمائش کریں اس کا تو کہیں پتہ بھی نہیں ہوتا۔ بعض تو اس قصہ کو زبان تک نہیں لاتیں۔ اگر مجمع میں بیٹھ گئیں تو شکایتیں جہان بھر کی شروع ہو جاتی ہیں۔ ذرا کوئی پوچھے تو کہ تمہاری تشریف آوری سے کیا فائدہ ہوا۔ بس ایک الزام اتارنا ہے اور کچھ بھی نہیں اور بعض جو دردمند ہیں وہ عقل مند بجائے اس کے کہ صبر دلائیں اور الٹا صاحب خانہ کے گلے لگ کر رونا پیٹنا شروع کر دیتی ہیں۔ اس میں بڑی محبت ظاہر ہوتی ہے۔ استغفر اللہ نوحہ اور چلانے کا جو گناہ ہے وہ الگ رہا۔ خود عقل کے بھی تو خلاف ہے۔ ہمدردی کے تو معنی یہ ہیں کہ اہل میت کے دل کو تھاما جائے نہ کہ اور زیادہ برانگیختہ کیا جائے تو غرض یہ بھی تعزیت نہ ہوئی تو عورتوں کا آنا محض بے کار ٹھہرا اور ان کے جمع ہونے میں اور بھی بہت سی خرابیاں ہیں جو تجربہ سے معلوم ہوتی ہیں اور باب دوم میں کسی قدر اس جمعیت نامبارک کا بیان بھی ہو چکا ہے۔

دوسرے میت کی گھر آ کر اپنی مہمانداری کرانا، ان سے پان چھالیہ لینا یا کھانا لینا خود ایک امر مذموم ہے، چنانچہ کتب فقہ میں تصریح موجود ہے۔ البتہ جو دور کا مہمان ہو اور تعزیت کے لئے آیا، اس کے لئے جائز ہے۔ چنانچہ درمختار میں "کتاب الوصیت" میں مذکور ہے۔

غرض کہ اہل میت پر اس قسم کا بار ڈالنا اور ان کو تکلیف پہنچانا بالکل خلاف شرع اور نہایت ہی بے دردی کی دلیل ہے۔ ہمارے اطراف میں ایسا برا دستور ہے کہ

مدتوں میت کے گھر گاڑیوں کی چڑھائی رہتی ہے۔ گھر والا دانہ گھاس دیتے دیتے اور ان مہمانوں کی خاطر داری کرتے کرتے تنگ ہوجاتا ہے۔ حدیث میں بالتصریح میزبان کو تنگ کرنے کی حرمت وارد ہے اور غضب در غضب یہ ہے کہ بیوہ عورت کو ایک بارتو شوہر کی موت پر اس طرح تنگ کیا تھا کہ ابھی وہ اس بارسے ہلکی نہ ہونے پائی تھی کہ انقضائے عدت کے وقت پھر وہی فوج کشی ہے۔ گویا عدت کوئی تنگ کوٹھری ہے کہ اس میں سے نکالنے کے واسطے مجمع عظیم کی ضرورت ہے کہ کوئی ہاتھ پکڑے گا، کوئی پاؤں پکڑے گا اور سب مل کر اس سے نکالیں گے۔ نعوذ باللہ!

تیسرے یہ خرابی ہے کہ ان تمام نزدیک ودور کے مہمانوں کا خرچ گھر والا ترکہ مشترکہ میں سے لٹاتا ہے، یہ بھی صریح ظلم اور حق تلفی دوسرے ورثہ کی ہے جس کو مہمانداری کرنا ہو اپنے حصہ میں سے کرلے۔ دوسروں کے مال میں تصرف کرنا بلا اذن (۱) معتبر شرعی بالکل حرام ہے اور یہ عذر کرنا کہ میرا حصہ ان مصارف کے لئے کافی نہیں، بالکل لچر بات ہے۔ اگر یہ سب حصے بھی کافی نہ ہوں تو کیا پڑوسیوں کی چوری بھی حلال ہوجائے گی۔

غرض یہ قافلہ مہمانوں کا اس گناہ کا بھی باعث ہوتا ہے۔ اس لئے یہ مناسب ہے کہ جو مرد عورت قریب کے ہیں وہ کھڑے کھڑے آئیں اور تعزیت کرکے چلے جائیں۔ پھر دوبارہ آنے کی ضرورت نہیں، نہ کوئی تاریخ معین کرنے کی حاجت۔ جب جس کو فرصت ملے ہوجایا کرے اور جو دور کے ہیں اگر سمجھیں کہ بدون ہمارے گئے ہوئے اہل مصیبت کو ہرگز صبر نہ آئے گا تو اس مصلحت اور ضرورت سے آئیں تو مضائقہ نہیں۔ ورنہ خط سے تعزیت ادا کریں کہ یہ بھی سنت ہے۔ رسول مقبول ﷺ نے تو حضرت معاذ بن جبلؓ کو ان کے بیٹے کے مرنے میں خط ہی سے تعزیت فرمائی تھی۔

(۱) بلا اجازت

ہشتم، دستور ہے کہ اہل میت کے لئے اول روز کسی عزیز قریب کے گھر سے کھانا آتا ہے، یہ فعل فی نفسہ جائز بلکہ مسنون اور قرین مصلحت ہے، مگر اس میں چند مفاسد پیدا ہو گئے ہیں۔ ان کی اصلاح واجب ہے۔

اول تو اس میں ادلا بدلا ہونے لگتا ہے کہ انہوں نے ہمارے یہاں دیا تھا ہم ان کے گھر دیں۔ یہ کوئی تجارت نہیں۔ غم زدوں کی دست گیری ہے۔ اس میں غضب یہ ہے کہ قرض چلنے لگا۔ خلاصہ یہ کہ یہ ایک تبرع ہے اور تبرع میں جبر حرام ہے۔ جب ایک شخص نے محض رسم کی وجہ سے واجب ادا سمجھا تو یہ جبر صریح ہے۔ بعض اوقات جب گنجائش نہیں ہوتی، قرض لینے کی نوبت آتی ہے تو ایسی پابندی بلاشک مکروہ ہے۔ اس میں بے تکلفی و سادگی مناسب ہے۔ جس عزیز کو توفیق ہو کھانا بھیج دے، نہ اس میں ادلے بدلے کی ضرورت و رعایت چاہئے اور نہ ترتیب قرابت کے لحاظ کی ضرورت ہے کہ ہائے فلاں کس طرح بھیجے، میں اس کی نسبت زیادہ نزدیک کا رشتہ دار ہوں۔ اس پر تکرار ہے، اصرار ہے، ہرگز دور کے رشتہ دار کو نہیں بھیجنے دیتے۔ مرتے ہیں مارتے ہیں، قرض کرتے ہیں اور بھیجتے ہیں۔ بس وہی مصیبت بدنامی مٹانے کی۔

دوم اہل میت کے دو چار آدمی ہوں، مگر کھانا پکتا ہے دور تک کے کنبے کا۔ یہ بھی محض حد شرعی سے تجاوز ہے۔ اہل میت پر چونکہ غلبہ غم کا ہوتا ہے اس لئے وہ پکانے کا اہتمام نہیں کرتے ہیں، سارے کنبہ پر ہرگز ایسا غلبہ نہیں ہوتا کہ ان کے چولھے بھی سرد ہو جائیں، نہ ان کو کھانا جائز نہ ان کے لئے پکانا جائز۔ بس مختصر سا کھانا کافی ہے۔

نہم، دستور ہے کہ قبر پر یا گھر پر حفاظ کو بٹھلا کر کہیں دس روز، کہیں چالیس روز یا کم و بیش قرآن مجید ختم کراتے ہیں۔ پھر ان کو کچھ اسباب کچھ نقد وغیرہ دیتے ہیں۔ گو اس کو لوگ کوشش کر کے درست بنانا چاہتے ہیں مگر بات کھلی ہوئی ہے کہ جب مقصود جانبین کا اجرت دینا لینا ہے اور طاعت پر اجرت لینا جائز نہیں اس لئے یہ فعل ہرگز

درست نہیں۔ نہ ایسے قرآن پڑھنے کا ثواب ملے۔ جب پڑھنے والے کو نہ ملا تو مردہ کو کیا پہنچے گا۔

بعض لوگوں کو شبہ پڑ گیا ہے کہ آخر ضرورت کے واسطے متاخرین نے تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز فرمایا ہے جواب خود اس سوال میں موجود ہے۔ یعنی وہاں کی ضرورت کی وجہ سے ایسا کیا کہ اندیشہ قرآن مجید کے ضائع ہو جانے کا تھا۔ یہاں کون سے دین کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ البتہ دوستوں کو بطور خود پڑھ کر بخشنا موجب نفع ہے۔ بعض ملکوں میں یہ غضب ہے کہ جنازہ کی نماز پڑھانے پر قبر کی زیارت کرنے پر اجرت لیتے ہیں۔ یہ اس سے بڑھ کر ہے اور اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

دہم، اہل میت مدتوں تک سوگ کرتے ہیں۔ چنانچہ پہلا تہوار آتا ہے اس میں خوشی نہیں کرتے، حد شرعی سے بڑھ کر سوگ کرنا بھی حرام ہے۔

پانچویں فصل

منجملہ ان رسوم کے رمضان المبارک کے بعض معمولات ہیں جو لوگوں میں شائع ہیں۔ اول حفاظ کی عادت ہے کہ اپنا قرآن سنا کر دوسرے حفاظ کا سنتے پھرتے ہیں۔ ہر چند کہ قرآن مجید کا سننا اور ان کے لئے جانا بہت خوبی کی بات ہے۔ مگر ان حضرات کی اکثریت یہ ہوتی ہے کہ اس کی غلطی پر مطلع ہو کر ان کو فضیحت کریں گے۔ ظاہر ہے کہ کسی مسلمان کی عیب جوئی کرنا خود حرام ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی حرمت موجود ہے۔ پھر اس کو رسوا کرنا یہ دوسرا گناہ ہے اور گناہ کے ارادہ سے چلنا، کہیں جانا یہ بھی گناہ ہے۔ البتہ اگر صرف برکات قرآنی حاصل کرنے کے لئے

جائیں یا کسی خوش آواز کا سن کر دل ہی خوش کرنا مقصود ہو تو مضائقہ نہیں۔ پہلی ضرورت عبادت، دوسری مباح ہو گی۔

بعضے لوگ اس پر یہ طرہ کرتے ہیں کہ دوسری جگہ کھنکارتے ہیں، کہیں لکڑیاں زمین پر یا دیوار پر مارتے ہیں یا لالٹین کا رخ بدل بدل کر اپنی تشریف آوری سے اطلاع دیتے ہیں۔ جس سے پڑھنے والا پریشان ہو کر بھولنے لگے۔ ظاہر ہے کہ کسی عبادت میں خلل ڈالنا خود یہ شیطان کا کام ہے۔ بعضے نماز میں شریک ہو کر قصداً غلط بتلانا شروع کر دیتے ہیں اور اس کے یاد اور عدم یاد کا امتحان لیتے ہیں۔ یہ سب گناہ کی باتیں ہیں۔ اگر کہیں سننے کے لئے جائے، چپکے سے جا کر یا تو بیٹھ جائے، یا بہتر ہے نماز میں شریک ہو جائے اور جب مقصود حاصل ہو جائے، اسی طرح واپس آ جائے۔

دوم، قرآن مجید جلد ختم کرنے کو یا بہت سے قرآن مجید ختم کو فخر سمجھتے ہیں اور اس مقصود کو حاصل کرنے کو خوب تیز پڑھتے ہیں کہ حرف بھی صاف ادا نہیں ہوتے۔ قرآن مجید میں ترتیل کو فرض فرمایا ہے۔ خود اس فرض کا ترک کرنا موجب گناہ ہے۔ خاص کر جب ریاء و نمود و فخر کے لئے ہو تو مضاعف گناہ ہے۔ بعض اس قدر زیادہ پڑھتے ہیں کہ مقتدی گھبرا جاتے ہیں۔ حدیث میں امام کو تخفیف صلوٰۃ کا حکم آیا ہے، اس میں اس حکم کا ترک لازم آتا ہے۔ یہ بھی برا ہے۔ غرض بقدر تحمل مقتدیوں کے پڑھنا چاہئے اور صاف صاف کوئی کی ختم نہ ہوں۔

سوم بعض حفاظ کی عادت ہے کہ اجرت لے کر قرآن مجید سناتے ہیں۔ طاعت پر اجرت لینا حرام ہے۔ اسی طرح دینا بھی حرام ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے پہلے سے مقرر نہیں کیا اس لئے یہ معاوضہ نہیں ہوا۔

جواب یہ ہے کہ گو پہلے سے نہیں ٹھہرایا، نیت تو دونوں کی یہی ہے، اور نیت بھی مرتبہ خطرہ و خیال میں نہیں بلکہ مرتبہ عزم میں، اگر کسی طور سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں کچھ وصول نہ ہو گا تو ہرگز ہرگز وہاں پڑھیں نہیں اور فقہ کا قاعدہ ہے کہ معروف

مثل مشروط کے ہے۔ جب اس کا رواج ہو گیا اور دونوں کی نیت یہی ہے تو بلاشک وہ معاوضہ ہے اور تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے شبہ کا جواب فصل چہارم میں گزر چکا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب بلا اجرت پڑھنے والا تو ہم کو ملتا ہی نہیں اور اجرت دے کر سننا جائز نہیں تو پھر قرآن کیونکر سنیں۔

جواب یہ ہے کہ پورا قرآن سننا فرض نہیں، ایک امر مستحب کے لئے مرتکب حرام کا ہونا ہرگز جائز نہیں۔ الم تر کیف سے تراویح پڑھ لو، ایسی حالت میں قرآن مجید کا ختم ہونا ضروری نہیں۔

چہارم بعض حفاظ کی عادت ہے کہ لیلۃ القدر میں یا اور کسی شب میں سب جمع ہو کر ایک یا کئی شخص مل کر قرآن مجید ختم کرتے ہیں اور عرف میں اس کو شبینہ کہتے ہیں۔ اول تو بعض علماء نے ایک شب میں قرآن مجید کو ختم کرنے کو مکروہ کہا ہے۔ کیونکہ اس میں ترتیل و تدبیر کا موقعہ نہیں ملتا۔ مگر چونکہ سلف صالحین سے ایک روز میں ختم کرنا بلکہ بعض سے کئی کئی ختم کرنا منقول ہے۔ اس لئے اس میں گنجائش ہو سکتی ہے، مگر اس میں اور بہت سے مفاسد شامل ہو گئے، جس کی وجہ سے یہ عمل شبینہ کا بطریق مروج بلاشک مکروہ ہے۔

۱۔ ہر شخص کوشش کرتا ہے جس طرح ممکن ہو شب بھر میں قرآن مجید ختم ہو جائے اور اس وجہ سے نہ ترتیل کی پرواہ ہوتی ہے اور نہ غلطی رہ جانے کا غم ہوتا ہے۔ بعض اوقات خود پڑھنے والے یا سننے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ فلاں مقام پر غلطی پڑھی گئی ہے مگر اس ختم کرنے کے خیال سے اس کو اسی طرح چھوڑ دیتے ہیں۔

۲۔ اکثر پڑھنے والوں کے دل میں ریاء و تفاخر ہوتا ہے کہ زیادہ اور جلدی پڑھنے سے نام ہو گا کہ فلاں نے ایک گھنٹے میں اتنے پارے پڑھے اور ریاء و تفاخر کا حرام ہونا ظاہر ہے۔

۳۔ بعض جگہ نوافل میں یہ ختم ہوتا ہے اور نوافل کی جماعت خود مکروہ ہے اور اگر تراویح میں پڑھا، اس میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ اگر سب مقتدی شریک تب تو ان پر پورا جبر ہے اور اگر وہ نہ شریک ہوئے تو آج کی تراویح میں جماعت سے محروم رہے۔ یہ جبر اور حرمان دونوں امر مذموم ہیں۔

۴۔ بعض لوگ شوق میں شریک تو ہو جاتے ہیں مگر پھر ایسی مصیبت پڑتی ہے کہ توبہ توبہ کھڑے کھڑے تھک جاتے ہیں، پھر بیٹھ کر سنتے ہیں، پھر لیٹ جاتے ہیں، ادھر قرآن ہو رہا ہے، ادھر سب حضرات آرام فرما رہے ہیں۔ بعضے آپس میں باتیں کرتے جاتے ہیں۔ غرض قرآن مجید کی بہت سی بے ادبی ہوتی ہے اور صورت اعراض کی سی ہوتی ہے۔ اس میں سحری کا وقت آجاتا ہے تو اس ختم کرنے کے خیال سے پڑھنے والے کو سب کے ساتھ سحری میں شریک نہیں کرتے، وہ کھڑا ہوا قرآن سنا رہا ہے اور سب کھانا کھا رہے ہیں۔ قرآن کریم سننے کے وقت دوسرا کام کرنا ہرگز جائز نہیں۔

۵۔ بعض حفاظ نماز سے خارج ہو کر پڑھنے والے کو بتلاتے رہتے ہیں اور سب کی نماز تباہ کرتے ہیں۔

۶۔ بعض جگہ سحری کے لئے چندہ ہوتا ہے اور دبا کر، شرما کر بھی وصول کیا جاتا ہے، جس کا حرام ہونا آگے آتا ہے۔

۷۔ بعض اوقات صبح صادق ہو جاتی ہے اور قرآن کچھ رہ جاتا ہے۔ خواہ مخواہ کھینچ تان کر اس کو پورا کر ڈالتے ہیں۔ بعد صبح صادق کے اور نوافل پڑھنا مکروہ ہے بجز دو سنت کے۔

پنجم، ختم کے روز اکثر مساجد میں معمول ہے کہ شیرینی تقسیم ہوتی ہے۔ ہر چند کہ قرآن مجید کا ختم ہونا نعمت عظمیٰ ہے، جس کے شکریہ اور فرحت میں کوئی چیز تقسیم کرنا بہت خوب امر ہے مگر اس میں بھی بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں:

۱۔ چونکہ اس کا عام رواج ہوگیا ہے۔ حتیٰ کہ اگر شیرینی تقسیم نہ ہوتو عام لوگ ملامت وطعن کرتے ہیں۔ اس لئے تقسیم کرنے والوں کی نیت اکثر اچھی نہیں رہتی۔ اسی الزام سے بچنے کے لئے لامحالہ تقسیم کرتے ہیں۔ خواہ گنجائش ہو یا نہ ہو۔ بعض اوقات تردد کرنا پڑتا ہے۔ مگر یہی خیال ہوتا ہے کہ بھلا کیسے تقسیم نہ ہو، لوگ کیا کہیں گے اور ریاء وتفاخر کا حرام ہونا اور اس نیت سے جو فعل ہو اس کا معصیت ہونا چند بار بیان ہو چکا ہے۔

۲۔ اکثر جگہ چندہ سے شیرینی آتی ہے اور اہل محلہ اور نمازیوں سے جبراً چندہ لیا جاتا ہے اور یہ بھی جبر ہے کہ ان کو مجمع میں شرمایا جائے یا ایسے شخص مانگنے اٹھے جس کی وجاہت کا اثر پڑے۔ چونکہ حدیث میں وارد ہے کہ کسی مسلمان کا مال بلا طیب خاطر اس کے حلال نہیں۔ اس لئے ایسے چندہ سے جو چیز خریدی جائے گی سب ناجائز ہے۔

۳۔ اس روز مٹھائی کے لالچ سے ہر طرح کے لوگ مسجد میں بھر آتے ہیں۔ بے نمازی یا برہنہ تن برہنہ لونڈے جن کی طہارت کا نجاست کا کچھ اعتبار نہیں اور تمام مسجد اور فرش کو ملوث کرتے ہیں۔ اور غل غپاڑہ اس قدر ہوتا ہے کہ نمازیوں کو تشویش ہوتی ہے۔

۴۔ مجمع کو سنانے کے لئے خود حافظ صاحب بھی اس روز خوب بنا کر پڑھتے ہیں۔ ریاء کا مذموم ہونا اور اس کے اسباب کا مذموم ہونا سب جانتے ہیں۔

۵۔ پھر تقسیم کے وقت جو کچھ دھول دھپا، شور وغل، گالی گلوچ ہوتا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ اسی طرح اور بہت سی خرابیاں ہیں۔ البتہ شکریہ کے واسطے اگر دل چاہے، حسب گنجائش بلا اعلان جو کچھ میسر ہو نقد یا غلہ یا طعام یا شیرینی مستحقین کو بلا پابندی دے دینا بہت مستحسن ہے۔

ششم، مساجد میں روزانہ اور ختم کے روز کثرت سے روشنی کرنا، اس میں بہت

سی مکروہات ہیں:

ا۔ اسراف: کہ اس قدر تیل اور بتی مفت ضائع ہو جاتا ہے۔ اگر یہی رقم مسجد کے کسی ضروری کام ڈول، رسی، فرش، لوٹا وغیرہ میں صرف کی جائے تو کس قدر مدد پہنچے اور اسراف کا حرام ہونا بار بار مذکور ہو چکا ہے۔

۲۔ اکثر روشنی کرنے والوں کی نیت وہی ناموری ہوتی ہے کہ فلاں شخص نے ایسا اہتمام کیا۔

۳۔ مسجد تماشا گاہ بنتی ہے۔ عبادت گاہ کا تماشا گاہ بنانا کس قدر معیوب ہے۔

۴۔ نمازیوں کی توجہ اس طرف مبذول رہتی ہے۔ نماز میں خیال بٹتا ہے۔ خشوع فرض ہے، جو چیز مخل خشوع ہوگی بلاشک مذموم ہوگی۔ بالخصوص مہتمم کی طبیعت بالکل اس میں مشغول رہتی ہے کہ فلاں چراغ بجھتا ہے، فلاں بھڑکتا ہے، فلاں کو ابھارنا چاہیے، فلاں کو کم کرنا چاہیے، نماز و ماز خاک نہیں۔

ہفتم بعض جگہ شب قدر میں لوگ جمع ہو کر شب بیداری کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ اس کا مکروہ ہونا فصل سوم میں بیان ہو چکا ہے۔ اتفاقاً اگر دو چار آدمی جمع ہو جائیں وہ اور بات ہے۔ غرض بطور خود ہر شخص حسب ہمت عبادت میں مشغول رہے۔ خاص اہتمام اور انتظام خلاف شرع ہے۔

چھٹی فصل

منجملہ ان رسوم کے بعض عورتوں کا یہ معمول ہے کہ رمضان المبارک میں حافظ کو گھر میں بلا کر اس کے پیچھے قرآن مجید سنتی ہیں۔ اس میں علاوہ ان مفاسد کے جو باب دوم میں عورتوں کے جمع ہونے میں لکھے گئے ہیں یہ مفاسد زائد ہیں:

ا۔ جو شخص قرآن مجید سناتا ہے حتی الامکان آواز کو بنا کر لہجہ کو دلکش کر کے پڑھتا

ہے۔ مردوں کا ایسا نغمہ عورتوں کے کان میں پڑنا بلاشک موہم فتنہ وفساد قلب ہے۔ حدیث میں اس کی دلیل واضح ہے۔

۲۔ عورتوں کے مزاج میں چونکہ بے احتیاطی ہوتی ہے اس لئے سلام پھیر کر پکار پکار کر باتیں کیا کرتی ہیں اور امام صاحب سنا کرتے ہیں۔ بلاضرورت عورتوں کا اپنی آواز اجنبی مردوں کے کان میں ڈالنا شرعاً ناپسندیدہ(۱) ہے۔

۳۔ بعض مجمع میں تمام عورتیں اس مرد کے اعتبار سے نامحرم ہوتی ہیں۔ ان میں کوئی بھی اس کی بی بی یا ماں نہیں ہوتی۔ ایک گھر میں مرد کا اتنی نامحرم عورتوں کے ساتھ جمع کرنا بلاشک حکم شرعی کے خلاف ہے اور یہ موٹی بات ہے کہ شرعاً عورتوں کا مسجد میں جانا منع ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کا مقصود یہ ہے کہ مردوں و عورتوں میں مباعدت(۲) رہے۔ پس جب عورت کو مردوں کے مجمع میں جانے کی ممانعت ہے اسی طرح مرد کو عورتوں کی مجمع میں جانے سے اور عورتوں کو مرد کے مجمع میں جانے سے کیوں نہ ممانعت ہوگی۔

عورتوں کے لئے یہی مناسب ہے کہ اپنے گھروں میں الگ الگ تراویح پڑھیں۔ ہاں کسی کا بھائی بیٹا حافظ ہو، اور دو چار بیبیاں گھر کی جمع ہو کر اس کے پیچھے قرآن سن لیں تو مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ یہ شخص فرض جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھے اور اگر دو چار میں کوئی پردہ دار ہو تو درمیان میں کوئی دیوار یا پردہ وغیرہ حائل ہو اور عورتوں کے جمع ہونے کا اہتمام نہ کیا جائے۔

ساتویں فصل

منجملہ ان رسوم کے مدارس یا مساجد کے لئے چندہ جمع کرنے کی رسم ہے۔ اس

(۱) یعنی ناجائز ہے۔ (۲) دوری ۱۲

طرح سے کہ دینے والے مجمع کی شرم سے یا اس مہتمم کے دباؤ یا لحاظ سے دے نکلیں۔ یا نادہندگی وخست کی شہرت کے اندیشہ سے دیتے ہیں، اور قرائن قویہ سے معلوم ہوجائے کہ اگر یہ اسباب نہ ہوتے تو یہ شخص نہ دیتا تو ایسی صورت میں ان ذرائع سے وصول کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اس باب میں حدیث بھی مذکور ہو چکی ہے اور امام غزالیؒ نے اس مسئلہ کی تصریح کردی ہے۔ رہا یہ سوال کہ صاحب بلا دباؤ تو کوئی دیتا نہیں اور یہ کام کرنا ضرور ہے، پھر کیا کریں۔ یہ بات بالکل ہی پوچ ہے۔ اول تو یہی غلط ہے کہ بلا دباؤ تو کوئی دیتا نہیں۔ بہت سے بندگان خدا خود تقاضا کر کے دیتے ہیں۔ دوسری جن اغراض کے لئے اس طرح چندہ لیا جاتا ہے وہ اغراض خود شرعاً ضروری نہیں۔ کیونکہ اکثر مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فضول خرچیوں کے لئے اتنی بڑی رقموں کی حاجت ہوتی ہے۔ اگر رقم کم ہو، مسجد کچی بنالو۔ چھپر ڈال لو، نماز کے لئے بہت ہے۔ مدرسہ مختصر بنالو یا کسی کرایہ کے مکان میں رکھ لو یا کسی مسجد میں بیٹھ جاؤ، معقولات کا درس کم کرو۔ قطبی تک پڑھانے والا تھوڑی تنخواہ کا مدرس کافی ہے۔ فرش وسامان میں تکلف مت کرو۔

غرض جہاں تک اختصار ممکن ہو اختصار کرو اور ضروری کاموں پر نظر رکھو۔ اگر اتنا بھی حلال طور سے نہ ملے، کام بند کردو۔ یہ سب مسلمانوں کا کام ہے کچھ اکیلے مہتمم کا نہیں ہے۔ چلے چلاؤ نہ چلے بند کردو۔ بلکہ دین کا کام دین کے خلاف ہوکر کرنا اور بھی زیادہ برا ہے اور جو کام سرے سے ضروری نہیں، جیسا قحط یا وبا میں مساکین کو کھانا کھلانا وغیرہ۔ اس لئے چندہ کرنا اور بھی زیادہ برا ہے اور مشاہدہ ہوا ہے کہ قحط و وبا کے چندہ میں مساکین کو بہت ہی کم پہنچتا ہے۔ مہتمین (۱) کے گھروں میں اور ان کے اقارب واصحاب کو خوب حصے پہنچتے ہیں۔

(۱) قوم کے خادمین انتظام کے لئے چنے ہوئے ۱۲۔

آٹھویں فصل

منجملہ ان رسوم کے بعض مدارس کی رسم ہے کہ جب طالب علم نے کتابیں پڑھ لیں، خواہ اس کو استعداد ہو یا نہ ہو اور خواہ اپنے علم کے موافق عامل ہو یا نہ ہو اس کو سند فضیلت دے دیتے ہیں اور دستار بندی کر دیتے ہیں۔ غور کرنا چاہئے کہ رسم دستاویز واقع میں اساتذہ و مشائخ کی طرف سے عوام کے روبرو اس امر کا اظہار اور شہادت ہے کہ یہ شخص ہمارے نزدیک اس قابل ہے کہ دین میں اس کی طرف رجوع کیا جائے اور اس سے مسائل پوچھ کر عمل کیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ یہ شخص آج سے مقتدائے دین ہے۔ جب حقیقت اس کی یہ ہے تو جو شرائط شہادت کی ہیں وہ اس میں بھی ہونا واجب ہے اور شہادت کی بڑی شرط یہ ہے کہ شاہد کو اس امر کا پورا علم اور یقین ہو جس کی شہادت دے رہا ہے وہ صحیح ہے تاکہ اس کو جھوٹ کا گناہ اور دوسروں کو دھوکہ دینے کا گناہ نہ ہو اور کسی کو اس سے ضرر نہ پہنچے۔ اسی طرح یہاں بھی اس شخص کی نسبت پوری تحقیق ہونا چاہئے کہ قابل مقتدا فی الدین (۱) بننے کے ہے یا نہیں۔ اگر علمائے حاضرین کو اس پر پورا اطمینان ہو اور اس کی حالت علمی و عملی قابل قناعت ہو تو دستار بندی بہت خوب رسم ہے کہ اس میں اظہار ناواقفوں کے روبرو ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ تکلفات زائد جس میں کہ ریاء و اسراف لازم آئے نہ کئے جائیں، بلکہ اگر واعظوں کے لئے بھی کوئی ایسی شرط ہو جائے کہ بلا امتحان و سند علماء کے وعظ نہ کہنے پائیں اور عوام بھی بدون پیش کرنے سند کے کسی اجنبی کا وعظ نہ سنا کریں تو بڑی ضروری مصلحت کی بات ہے۔ اس سند و دستار بندی کی یہ حکمت ہے اور بدون اہلیت کے ہرگز ہرگز دستار بندی نہ کی جائے نہ سند دی جائے کہ بجز اضلال خلق کے اس کا اور کیا ثمرہ ہے۔

---

(۱) دین کا پیشوا ۱۲

نویں فصل

منجملہ ان رسوم کے تبرکات کی زیارت ہے جس میں اکثر عوام کا مجمع زیادہ ہوتا ہے۔اس میں بھی بکثرت بے احتیاطیاں ہوتی ہیں۔

۱۔بعض جگہ تو تبرکات ہی بے اصل ہیں۔حضور پرنور ﷺ کی طرف غلط نسبت کرنا کس قدر موجب وعید ہے۔اسی طرح اولیاء اللہ و بزرگان دین پر افتراء کرنا بھی جھوٹ تو ضرور ہے بلکہ بعض تبرکات کے غلط ہونے پر دلیل عقلی یا نقلی شہادت دیتی ہے۔چنانچہ قدم شریف کے قصے کا اکثر محدثین نے انکار کیا ہے اور بعض قرآن پر اعراب لگائے ہوئے حضرت علیؓ کی طرف نسبت کئے جاتے ہیں۔اس زمانہ میں یہ اعراب اصطلاحی نہ تھے۔البتہ جہاں کوئی دلیل مکذب نہ ہو ہم کو تکذیب کی حاجت نہیں۔بالخصوص جہاں قرآئن سے صدق غالب ہو وہ ظناً تبرک ہے۔گو یقیناً نہ سہی کیونکہ دلائل یقین کے مفقود ہیں۔

۲۔زیارت کرانے پر معاوضہ لیا جاتا ہے۔فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ایسے امور پر معاوضہ لینا حرام اور رشوت ہے۔

۳۔زیارت کے وقت اکثر مردوں عورتوں کا اختلاط جسمی یا نظری ہو جاتا ہے۔

۴۔بعض تبرکات نبویہ ﷺ کے زیارت کرانے کے وقت عوام کے مجمع میں اشعار ندائیہ پڑھے جاتے ہیں اور ہیئت بھی حضور ﷺ کی سی بنائی جاتی ہے۔جس سے عوام کو ایہام رونق افروزی حضور پرنور ﷺ کا احتمال ہوتا ہے۔اس عقیدے کی تفصیل فصل اول بحث عام قیام میں ہو چکی ہے۔

۵۔اس کا اہتمام تداعی فرائض و واجبات سے زیادہ ہوتا ہے اور محتاط کو نشانہ ملامت بناتے ہیں۔یہ صریح تعدی حدود ہے۔اس لئے مناسب یہ ہے کہ اس ہیئت

سے زیارت نہ کی جائے بلکہ خلوت میں یا خلوت خاص میں بلا پابندی ان رسوم کی زیارت سے مشرف ہو جائے اور کبھی کبھی بلا تعین وقت بطور خدمت کے خادم تبرکات کی خدمت میں کچھ پیش کر دیا کرے، اس کا مضائقہ نہیں۔

دسویں فصل

منجملہ ان رسوم کے مساجد کی زینت و تکلف ہے جو حد اعتدال سے خارج ہو، فقہاء نے فرمایا ہے اور عقل میں بھی یہ بات آتی ہے کہ مساجد کے استحکام کے لئے اہتمام وصرف کرنا تو مضائقہ نہیں، مگر زیب و زینت و نقش و نگار مکروہ ہے، بلکہ اگر مال وقف سے کرے گا تو متولی کو اپنے گھر سے اتنا روپیہ بھرنا پڑے گا اور واقعی اگر غور کر کے دیکھا جائے کہ مسجد کس غرض کے لئے شرعاً موضوع ہوئی ہے۔ غرض یہی ہے کہ اس میں عبادت کی جائے اور عبادت کی روح اعظم حضور قلب و خشوع ہے تو لامحالہ جو چیز مخل خشوع ہوگی وہ مخل عبادت ہے اور وہ موضوع مسجد کے خلاف ہے تو ضرور مسجد میں اس کا منتظم کر دینا ممنوع ہونا چاہئے۔

اسی واسطے حدیث بخاری میں حضرت عمرؓ نے مسجد نبوی ﷺ کے مستری کو رنگ آمیزی کرنے سے منع فرمایا اور یہی وجہ بیان فرمائی کہ اس میں لوگوں کے دل کو مشغولی ہوگی، گویا عبادت گاہ تماشا گاہ بن جائے گا۔ واقعی کس قدر قلب موضوع ہے اور حدیث ابوداؤد میں ایسی زیب و زینت کو یہود و نصاریٰ کا فعل بتایا گیا ہے۔ ان کے ساتھ مشابہت کرنا بھی بالیقین برا ہے۔ پھر اس میں اسراف بھی ہے۔ علاوہ اس کے اکثر تفاخر و شہرت کا قصد بھی ہوتا ہے اور اکثر اس قدر تکلف کے لئے حلال مال بھی کم میسر آتا ہے کیونکہ حلال مال اول تو اس قدر کس کے پاس ہے، پھر اس کو اس طرح بے دریغ خرچ کرنا بھی مشکل ہے، حرام مال مسجد میں لگانا اور زیادہ وبال ہے۔

غرض اتنی خرابیاں اس میں ہیں۔ اس لئے مساجد کو سادہ اور مستحکم بنانے پر اکتفا کریں، ان سب زوائد کو حذف کردیں۔ جس قدر اس میں خرچ کرنا ہو مصلحت اس کی یہ ہے کہ اول اس کی کوئی جائیداد یا دکان وغیرہ خرید کر اس کے مصارف کے لئے وقف کردیں اور بعض لوگوں کا حضرت عثمانؓ کے قصہ بناء مسجد نبوی ﷺ اور اس میں ساج وغیرہ کے منقش کرنے کے قصے کو دلیل نقلی میں پیش کرنا اور مصلحت اعزاز و رفعت دین کو دلیل عقلی میں پیش کرنا محض ناکافی ہے۔

حضرت عثمانؓ نے اس قدر تکلف نہیں فرمایا تھا نہ ان کی نیت میں تفاخر تھا نہ مشتبہ مال اس میں لگایا ان کے قصے پر اپنے فعل کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے:

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر شیر

اور دین کا اعزاز و ترفع ایسے امور سے نہیں ہوتا بلکہ سادگی میں اس کا حسن اور دوبالا ہوجاتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد نحن (۱) قوم اعزنا اللّٰہ بالاسلام آب زر سے لکھ کر حرز جاں بنانے کے قابل ہے، اور اس کے حاشیہ پر حافظ شیرازی کا شعر چڑھانے کے لائق ہے:

زعشق نا تمام ما جمال یار مستغنی ست!
بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئ زیبا را

اسی طرح مساجد بہت پاس پاس بنانا بالخصوص تفاخر و تراخم کے لئے بھی بالکل دین اور عقل کے خلاف حرکت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دین کے کام کو دین کے طور پر کرو ورنہ نیکی برباد گناہ لازم کا مضمون ہوجاتا ہے۔

---

(۱) ہم ایسے لوگ ہیں کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ساتھ عزت دی ہے۔

اصلاح الرسوم

جس کو طبع ثانی کے وقت مؤلف نے اضافہ کیا، اس میں بھی چند فصلیں ہیں اور ہر فصل میں ایک رسم کا بیان ہے۔

پہلی فصل

ایک رسم یہ ہے کہ جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کے ورثہ میں سے جو موقع پر موجود ہوتے ہیں اس کے کپڑے نکال نکال کر غریبوں کو محتاجوں، مدارس میں مساجد میں تقسیم کرنا شروع کردیتے ہیں اور اس کا خیال نہیں کرتے کہ بعض وارثین جو حاضر نہیں ہیں انہیں ان کا بھی حصہ ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اس تقسیم کو پسند نہ کریں یا ان کی مرضی اور کسی جگہ دینے کی ہو۔ اسی طرح بعض ورثہ بالغ ہوتے ہیں، ان کے حصے میں بھی تصرف کرنا جائز نہیں، بلکہ وہ اجازت بھی دے دیں تب بھی عقد و تبرع و ہبہ میں ان کی اجازت شرعاً معتبر نہیں ہے۔

اسی طرح کفن کے علاوہ اوپر کی چادر اور جانماز یہ سب کفن سے خارج ہے اور عام رواج یہی ہے کہ یہ ترکہ مشترکہ میت سے بنایا جاتا ہے۔ سو ان چیزوں میں وجہ تصرف فی حق الغیر کے غصب اور ظلم کا گناہ ہوتا ہے اس لئے اس میں احتیاط کرنا ضروری ہے۔ پس اگر میت نے وصیت صراحتہً کی ہو کہ میرے کپڑے مساکین یا صلحاء کو دے دیئے جائیں تو یہ وصیت ثلث ترکہ میں جاری ہوگی۔ یعنی جس قدر کپڑوں کے لئے وہ وصیت کر گیا ہے اگر کل ترکہ کے ثلث سے قیمت میں زائد نہ ہوں تو بلا کسی وارث کے دریافت کئے ہوئے وہ تقسیم کردیئے جائیں۔ ورنہ ان کو اول تقسیم کرنا چاہئے۔ جب ہر شخص اپنے حصہ پر قابض ہوجائے پھر ہر ایک کو اپنی چیز کا

اختیار ہے، جس کو چاہے دے یا نہ دے اور نابالغوں کا حصہ اگر ان کے بکار آمد ہو رکھا جائے، ورنہ فروخت کر دیا جائے اور رقم ان کے کام میں لگا دی جائے۔

البتہ اگر کسی جگہ سب وارث بالغ ہوں اور تصریحاً دلالۃً بقرائن تو یہ اجازت دے دیں تب بلا تقسیم میں صرف کر دینا جائز ہے اور جس جگہ لینے والے کو حال معلوم نہ ہو تو چونکہ غالب بے احتیاطی ہے اس لئے واجب ہے کہ خوب تفتیش کر لیا کرے یہ نہیں کہ مردہ کے مال کو غنیمت سمجھیں۔ اہل مدارس و مساجد کو اس کا بہت خیال رکھنا ضروری ہے، ان کی احتیاط سے عوام متنبہ ہو جائیں گے۔

دوسری فصل

ایک رسم یہ ہے کہ جب کسی شیخ کی وفات ہوئی اس کے مردوں نے جمع ہو کر اس کے کسی بیٹے کو یا کسی خادم کو سجادہ نشین کر دیا اور سند کے لئے دستار بندی کر دی۔ خواہ اس میں اہلیت ہو یا نہ ہو۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ جو لوگ ابھی خود اس راہ سے نا آشنا ہیں ان کی اجازت کہاں تک قابل اعتبار ہو سکتی ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ جتنے لوگ ایسے رسمی سجادہ نشین سے بیعت ہوں گے ان سب کی گمراہی کا وبال اس سجادہ نشین کی برابر ان ارباب جلسہ کو بھی مل جائے گا کہ یہ لوگ بانی ضلالت ہوئے۔ حدیث شریف میں علامات قیامت سے آیا ہے کہ لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنا لیں گے۔ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اوروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ اس لئے سمجھ لینا ضروری ہے کہ جب تک کوئی شیخ کامل جامع شریعت و طریقت جس کو اس زمانہ کے اچھے لوگوں نے اہل مان لیا ہو اجازت نہ دے، بیعت لینے پر جرأت نہ کرنا چاہئے۔

تیسری فصل

ایک رسم یہ ہے کہ اکثر بعد مرنے مورث اعلیٰ کے کوئی چچا یا بھائی وغیرہ کسی لڑکے یا لڑکی کا نکاح اسی کے حصے سے جو ترکہ سے اس کو پہنچا ہے کر دیتے ہیں اور فضول اخراجات میں اس کو برباد کر دیتے ہیں اور اپنے ذہن میں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے تو ان کی چیز اس کو لگا دی، کون سا گناہ کیا۔

اس کی تو ایسی مثال ہوئی کہ کسی مسخرہ میزبان نے دعوت کر کے مہمانوں کی جوتیاں بیچ کر ان کو مٹھائی کھلا دی تھی اور کہا تھا کہ یہ آپ ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔ بلکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ کچھ قرض بھی ہو جاتا ہے تو وہ اس لڑکے کے ذمے رکھا جاتا ہے اور اس سے ادا کرایا جاتا ہے۔ یہ کس قدر ظلم صریح ہے۔

پس اول تو فضول رسوم خود ناجائز ہیں اور جو مصارف مباح و جائز بھی ہوں، تب بھی اس کے حصہ سے بارضائے صریح کے جب کہ وہ بالغ ہو صرف کرنا حرام ہے۔ اور اگر وہ نابالغ ہے تو صریح اجازت بھی شرعاً معتبر نہیں یا ویسے ہی رسمی اجازت ہے بوجہ لحاظ کے یا عرف کے یہ سب غیر معتبر ہے۔

چوتھی فصل

ایک رسم یہ ہے کہ لڑکیوں کو بہنوں کو ترکہ سے حصہ نہیں دیتے جو صریح نص قطعی کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء میں فرمایا ہے کہ مردوں کا بھی حصہ ہے جو کچھ ماں باپ یا تو سب نے چھوڑا اسی طرح عورتوں کا بھی حصہ ہے، جو کچھ ماں باپ یا اقارب نے چھوڑا قلیل ہو یا کثیر یہ حصہ مقرر کیا ہوا فرض کیا ہوا ہے۔ الخ۔ ایسے صاف

صاف حکم کے خلاف پر کس طرح جرات ہوتی ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب وہ لیتی نہیں۔ان سے پوچھنا چاہئے کہ تم نے کب دیا تھا کہ انہوں نے انکار کیا۔البتہ لحاظ سے مروت سے مانگتا نہیں۔اس سے کسی کا مال حلال نہیں ہوسکتا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے دینا چاہا تھا۔انہوں نے نہیں لیا۔یہ عذر بھی ناکافی ہے۔ایک نہ لینا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ لینے سے خلقت ملامت کرے گی۔یہ شرعاً معتبر نہیں۔ایک نہ لینا محض طیب خاطر سے ہوتا ہے۔سو اس کا فیصلہ ہر شخص انصاف سے خود کرسکتا ہے۔

اس زمانہ میں چونکہ اکثر لوگ حاجت مند و مفلس ہیں اور مال کی محبت اکثر قلوب میں راسخ ہے،اس لئے رسمی اجازت کا اعتبار نہیں،بلکہ ضرور ہے کہ بعد مرنے مورث کے سب کا نام بھی درج کرایا جائے۔اور ششماہی یا سالانہ آمدنی پر سب حساب کرکے ہر ایک کا حصہ روپیہ یا غلہ اس کو اصرار کرکے دیا جائے۔اگر اعلان سے لینا اس کو ناگوار ہو تو اخفاء کے ساتھ اس کا پورا حق دے یا اس کی جائیداد وغیرہ تقسیم کرکے اس کو حوالہ کرے اور جو وہ انتظام نہ کرسکے تو یہ شخص وکالتاً اس کی جانب سے انتظام کرے یا اس کی خوشی سے خود مناسب طور سے ٹھیکہ پر لے لے اور رقم ٹھیکہ اس کو ادا کرتا رہے۔

بعض لوگ اپنے جی کو سمجھا لیتے ہیں کہ ہم نے تقریبات میں پھوپھی کو،بہن کو بھات دیا ہے،جوڑے دیئے ہیں اور ہمیشہ دیا کرتے ہیں۔یہ گویا اس کا حصہ ترکہ کا ادا کردیا جاتا ہے۔اس کے جواب میں وہی حکایت مسخرہ میزبان کی جو فصل سوم میں لکھی گئی کافی ہے۔

پانچویں فصل

ایک رسم یہ ہے کہ اکثر لوگ مسجد کی چیز اپنے برتنے کے لئے لے جاتے ہیں۔ کوئی آگ لے جاتا ہے یا سقاوہ میں سے پانی لے جاتا ہے۔ کوئی بیمار کے لئے پانی پڑھوا کر مسجد کے لوٹے میں لے جاتا ہے۔ کوئی وہاں کا فرش اپنے دعوتیوں کو بٹھلانے کے لئے لے جاتا ہے، کوئی استنجے کے ڈھیلے اپنے گھر استنجا کرنے کے لئے لے جاتا ہے اور اپنے دل کو یوں سمجھا لیتے ہیں کہ مسجد کا مال وقف ہے، اس میں سب کو حق انتفاع ہے۔

صاحبو! یہی تو ممانعت کی دلیل ہے، کیونکہ وقف کا حکم یہ ہے کہ جس غرض کے لئے جس قید کے ساتھ وقف ہو اس کے سوا دوسری طرح استعمال جائز نہیں۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اشیاء مذکورہ ان اغراض کے لئے وقف نہیں کی گئیں بلکہ جو ضرورتیں نمازیوں کو وہاں نماز پڑھنے کے وقت پیش آتی ہیں ان کے لئے یہ اشیاء وقف ہوتی ہیں۔ اس لئے اس شرط وقید سے تجاوز کرنا حرام ہوگا۔

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جو پانی پینے کے لئے وقف کے طور پر رکھا گیا ہے اس سے وضو کرنا جائز نہیں۔ اور اگر وقف کے یہی معنی ہیں تو مسجد کی اینٹیں بھی تو وقف ہیں، ان سے اپنا مکان بنا لینا جائز ہونا چاہئے۔ وہاں کے کواڑ تختے سب وقف ہیں، یہ بھی لے جانا جائز ہونا چاہئے۔ نعوذ باللہ منہ! اسی طرح بعض قومیں بڑے بڑے مجمعوں کو مسجد میں کھانا کھلاتی ہیں۔ گویا مسجد چوپال ہے یا ان کی بیٹھک ہے۔ یہاں وہی مسئلہ یاد کرنا چاہئے کہ مسجد اس کام کے لئے نہیں۔ اس لئے یہ فعل ناجائز ہوگا۔

بلکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ معلم لوگ جو تنخواہ لے کر قرآن وغیرہ پڑھاتے ہیں، ان کو مسجد میں لڑکے لے کر بیٹھنا جائز نہیں۔ کیونکہ مسجد عبادت گاہ ہے، تجارت گاہ

نہیں، ان سب امور سے اجتناب واجب ہے اور منجملہ احترام مسجد کے یہ بھی ہے کہ وہاں بدبودار چیز نہ لے جائے۔ حتی کہ مٹی کا تیل اس کے اندر نہ جلائے، دیا سلائی اس کے اندر نہ کھینچے، باہر چراغ روشن کر کے اندر رکھ دے۔ تمباکو کھانے پینے والا جب تک خوب منہ کو صاف نہ کر لے اس میں داخل نہ ہو۔

چھٹی فصل

ایک رسم یہ ہے کہ اکثر قصبات میں عیدین کی امامت اور بعض جگہ جمعہ اور نماز پنجگانہ کی بھی محض موروثی بناء پر یہ دعویٰ ریاست کی طرح چلی آتی ہے۔ خواہ امام صاحب میں اہلیت ہو یا نہ ہو۔ بعض جگہ تو امام قرآن بھی صحیح نہیں پڑھ سکتا۔ ایسی صورت میں نماز ہی سب کی باطل ہوگی اور اگر الٹا سیدھا صحیح بھی پڑھ لیا، مگر مقتدی لوگوں کو اس کی امامت ناگوار ہے اور جبراً و کرہاً بہ خیال احتمال فتنہ کے ساکت ہیں تو اس امام کو سخت گناہ ہوگا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایسے امام کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

ساتویں فصل

ایک رسم یہ ہے کہ اکثر لوگ عیدین یا جمعہ میں یا اور نمازوں میں پہلے سے خود یا کسی نوکر چاکر دوست آشنا کی معرفت مسجد میں اپنا کپڑا یا تسبیح قبضہ کے لئے رکھ دیتے ہیں اور آزاد اور بے فکری سے جب جی چاہتا ہے تشریف لے جاتے ہیں۔ سو یہ بات بالکل شریعت کے خلاف ہے۔

ہمارے حضور ﷺ سے صحابہؓ نے دریافت کیا کہ ہم حضور ﷺ کے لئے منیٰ میں پہلے خیمہ وغیرہ لگادیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، کیونکہ وہاں ٹھہرنے کا استحقاق اس کو حاصل ہے جو پہلے پہنچ جائے۔ الخ۔ البتہ کسی جگہ جب آدمی بیٹھ گیا اور نماز ہونے تک بیٹھے رہنے کا ارادہ کرلیا، اگر اتفاقاً درمیان میں عارضی طور پر اٹھنا پڑے۔ مثلاً: وضو ٹوٹ گیا، کھنکارنے گیا، اس وقت یہی شخص اس جگہ کا مستحق ہے۔ دوسرے شخص کو وہاں بیٹھنا جائز نہیں۔ ایک حدیث اس مضمون کی بھی آئی ہے۔

آٹھویں فصل

ایک رسم یہ ہے کہ اکثر مساجد میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ ممتاز اور بلند ہے۔ بعض جگہ امام بالکل محراب کے اندر کھڑا ہوتا ہے ان دونوں صورتوں کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔ بس اس میں احتیاط کرنی چاہئے کہ امام کے کھڑے ہونے کی جگہ ایک بالشت بھی بلند نہ ہو اور کم از کم پاؤں محراب سے باہر رہنے چاہئیں۔

نویں فصل

ایک رسم یہ ہے کہ اکثر لوگ دو چار نسخے یاد کر کے مطب اور علاج شروع کردیتے ہیں۔ نہ کلیات سے واقف نہ جزئیات کے احکام معلوم۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص طب میں ماہر نہ ہو اور علاج کرے اور اس کے علاج سے کوئی نقصان ہوجائے وہ ضامن ہے، یعنی دنیا میں قابل ملامت اور آخرت میں موجب عذاب ہے۔ نیم حکیم خطرۂ جان نیم ملا خطرۂ ایمان مسلم ہے۔

دسویں فصل

منجملہ ان رسوم کے یہ رسم ہے کہ قربانی کے جانور میں لازم سمجھتے ہیں کہ پائے حجام کا حق ہے اور سری سقہ کا حق ہے۔ اسی طرح عقیقہ میں اپنے اپنے حقوق لازم کر رکھے ہیں، ان کو دینے والا اور لینے والا ضروری سمجھتے ہیں ورنہ وہ شکایت اور مذمت وہجو کرتے پھرتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ لوگ بلا اجازت مالک کے یہ چیزیں اٹھا کر لے جاتے ہیں۔

پس سمجھ لینا چاہئے کہ شریعت میں اس لزوم کی دلیل نہیں۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو اس میں بڑی خرابی لازم آتی ہے۔ وہ یہ کہ قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ المعروف کالمشروط۔ پس جب اس درجہ کا عرف ہو جائے تو ایسا ہوگا جیسا ان لوگوں سے شرط ٹھہرائی گئی ہو، اور اگر کوئی شرط اس طرح ٹھہرائے کہ تم ہمارا فلاں کام کیا کرو تم کو اس خدمت کے معاوضہ میں فلاں چیز دیں گے۔ وہ چیز اس صورت میں اجرت ہوگی، اور اجرت بذمہ کام لینے والے کے دین ہے تو گویا اس شخص نے قربانی کے اجزاء سے اپنا دین ادا کیا اور یہ حکم بیع میں ہے اور حرام اور باطل ہے، صرف تبرعات میں اس کا صرف کرنا جائز ہے۔

اسی طرح کھال کو یہ سمجھنا کہ موذن کا حق ہے، اس میں بھی بعینہ وہی خرابی ہے، جیسا کہ ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے۔ چاہئے کہ اس رسم کو موقوف کریں اور بلا تعین اور بلا اعتقاد واستحقاق مالک کو اختیار ہے جس کو چاہے دے دیا کرے، اسی طرح قربانی میں اور بھی بے احتیاطیاں کرتے ہیں۔

مثلاً عام رواج ہے کہ گائے بھینس کا بچہ پرورش کے لئے حصہ پر دے دیتے ہیں۔ یعنی زید اپنی گائے کا بچہ عمرو کو یہ شرط کر کے دیتا ہے کہ تم اپنے طور پر اس کی

خدمت کرو، کھلاؤ پلاؤ، جب بڑا ہو جائے آدھا ہمارا اور آدھا تمہارا، اور یہی اس کا حق الخدمت واجرت پرورش ہے۔

پس کبھی وہ زید کے پاس رہتا ہے اور وہ اجرت و قیمت عمرو کو دیتا ہے۔ کبھی بالعکس، چونکہ یہ کسی عقد صحیح میں شرعاً داخل نہیں، اس لئے معاملہ حرام ہے اور اگر خدمت کرنے والے کے پاس وہ جانور رہا تو اس کی ملک خبیث ہے پس بعض لوگ ایسا جانور خرید کر اس پر قربانی کیا کرتے ہیں۔ چونکہ اس صورت میں وہ بملک خبیث حاصل ہوگا۔ اس لئے قربانی اس کی مردود ہونی چاہئے کہ اس معاملہ کو بھی ترک کردیں اور ایسے جانور کی قربانی بھی نہ کریں اور دوسری قسم کی بے احتیاطیاں بھی قربانی میں ہو جاتی ہیں۔ علماء سے تحقیق کرکے سب سے احتراز کریں۔ فقط

واللّٰہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق
زندگی گزارنا اسلام ہے جو مجموعہ ہے عقائد، عبادات، معاملات،
معاشرت، اخلاق، آداب کا۔ اس کے مطابق زندگی گزارنا ہر مسلمان کی
اولین ذمہ داری ہے۔ دورِ حاضر میں جب علمِ دین کی کمی کے سبب
اکثر مسلمان [illegible]
[illegible] اور [illegible] آسان
[illegible] نبی کریم ﷺ کی تعلیمات [illegible] ہے۔
زیرِ نظر کتاب [illegible] حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
[illegible]
[illegible]
[illegible] قرآن [illegible] روشنی میں [illegible]
[illegible]
[illegible] اسلام [illegible]
[illegible]